بسم اللہ الرحمٰن ا لرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

المنار

ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی نمبر

نومبر۔دسمبر ۲۰۱۴

نگران۔ پروفیسر چوہدری حمید احمد۔ صدر تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

چیف ایڈیٹر: چوہدری محمد کولمبس خاں

ایڈیٹوریل بورڈ: چوہدری انیس احمد۔ میجر عبدالوحید رانا۔ منیر احمد باجوہ۔

مینیجر: چوہدری عبدالغفور ڈوگر

ترتیب و ڈیزائن: محمد ظہیر احمد

پرنٹنگ: رانا محمد اصغر خان (A.K Print and Layout Service)

Alhaj Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi

13.05.1919 – 8.06.1973

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	احکام خداوندی۔حدیث نبوی۔	۱
۲	کلام الامام، امام الکلام	۲
۳	پیش لفظ - پروفیسر حمید احمد چوہدری۔صدر ایسو سی ایشن ونگران المنار	۳
۴	اداریہ۔چوہدری محمد کولمبس خان	۵
۵	مختصر تعارف ڈاکٹر کیوسی صاحب :پروفیسر حمید احمد چوہدری	۷
۶	الحاج ڈاکٹر محمد عبد الہادی اطالو کیو سی ر حمۃ اللہ علیہ : چوہدری حمید نصراللہ خاں	۹
۷	الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی:مولانا فضل الٰہی انوری صاحب	۱۰
۸	پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد ساہی کے اعزاز میں عشائیہ:المنار رپورٹر	۱۵
۹	خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ماہنامہ خالد جنوری 1971 میں ڈاکٹر کیوسی صاحب کی ربوہ آمد کا ذکر	۱۸
۱۰	یورپ کے ایک ناقابل فراموش بزرگ:چوہدری محمد شریف خالد	۱۹
۱۱	ڈاکٹر عبدالہادی کیوسی صاحب کی یاد میں:عبدالشکور بھٹی	۲۳
۱۲	ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی:چوہدری منیر احمد باجوہ	۲۵
	انگریزی / جرمن سیکشن	

ارشادِ باری تعالیٰ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيٰتٍ لِّأُوْلِي الألْبَابِ
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

سورۃ آلِ عِمران آیات 191.192

ترجمہ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں صاحبِ عقل لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی اور بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں کے بل بھی اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (اور بے ساختہ کہتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تُونے ہر گز یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پاک ہے تُو۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

In der Schöpfung der Himmel und der Erde und im Wechsel von Nacht und Tag sind in der Tat Zeichen für die Verständigen. Die Allahs gedenken im Stehen und Sitzen und wenn sie auf der Seite liegen und nachsinnen über die Schöpfung der Himmel und der Erde: „Unser Herr, Du hast dies nicht umsonst erschaffen; heilig bist Du; errette uns denn vor der Strafe des Feuers.
(Aal e Imraan 191-192)

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا

(ابوداؤد۔ بحوالہ چالیس جواہر پارے نمبر 13)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:
جو شخص ہم میں سے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہم میں سے بڑوں کا حق نہیں پہچانتا۔ اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں

Erzählt von Hazrat Abdullah Ibn e Omer, Allah sei erfreut durch ihn:
Der Prophet Allahs, Friede und Segnungen Allahs seien auf Ihn, sagte:
„Jemand, der nicht barmherzig gegenüber unseren Jüngeren ist und nicht die Rechte der Älteren anerkennt, gehört nicht zu uns.
(Abu Daud, Vierzig schöne Edelsteine Nr. 13)

کلام الامام، امام الکلام

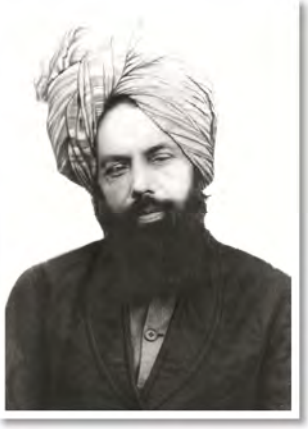

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

فرمایا: تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ہر چیز کی جڑ ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ہر ایک باریک در باریک رگ گناہ سے بچنا۔ تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ کہ جس امر میں بدی کا شبہ بھی ہو اس سے کنارہ کرے۔

****

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

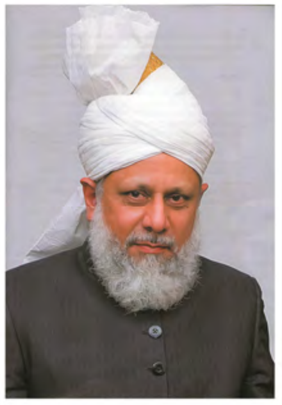

اکثر غیر مسلموں کے سامنے جب میں یہ بات رکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے یہ عمل آنحضرت ﷺ اور اسلام کے سچا ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہوگی بلکہ عرصہ بھی بتادیا کہ یہ عملی زوال کی حالت اتنے عرصے بعد شروع ہوگی اور اتنے عرصے تک یہ اندھیرا زمانہ چلتا چلا جائے گا اور پھر مسیح موعودؑ کا ظہور ہوگا جو اسلام کی حقیقی اور خوبصورت تعلیم کو دنیا میں جاری کرے گا۔ دنیا میں بے شک بہت سے ایسے افراد ہیں جو جماعت احمدیہ کے امن کے کاموں کی تعریف کرتے ہیں لیکن مذہب کے حوالے سے جب غیر معمولی ترقی ملنی شروع ہو جائے تو من حیث القوم مخالفتوں کا سامنا ہمیں مغربی ممالک میں بھی کرنا پڑے گا، یا یہاں کے جو بھی نام نہاد مذہب پر عمل کرنے والے لوگ ہیں، ان کی طرف سے مخالفتیں ہوں گی، اس لئے یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان پڑھے لکھے ملکوں میں ہمیں خیر کا جواب خیر سے ملے گا۔ کوئی دنیاوی مخالفت، کوئی دنیاوی روک، چاہے وہ مسلمانوں کی طرف سے ہو یا غیر مسلموں کی طرف سے یا کسی بھی طرف سے، دہریوں کی طرف سے، اس کو ہم نے اس طرح راستے سے ہٹانے کی کوشش کرنی ہے جس طرح تیز ہوا ایک تنکے کو اڑا کر لے جاتی ہے، پس اس سے ہمیں اندازہ کر لینا چاہئے کہ ہمیں کتنی جامع، ٹھوس اور شدت سے کوشش کی ضرورت ہے، اور اس کے ساتھ ہی ہر احمدی کو اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق اس میں حصہ ڈالنے کی ضرورت ہے، حضرت مسیح موعودؑ کا کام تمام دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانا اور یہ خیر اور بھلائی بانٹنا ہے۔

****

پیش لفظ و شکریہ احباب

المنار کا یہ شمارہ ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمہ اللہ کی یاد کے لئے وقف کیا جارہاہے۔اس بات کا خیال مجھے اس وقت شروع ہوا جب گزشتہ سال ڈاکٹر صاحب مرحوم کی قبر کو منہدم کئے جانے کے احکام جاری ہوگئے تھے۔اللہ بھلا کرے برادرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کا،اگر وہ بروقت intervene نہ کرتے تو آج ڈاکٹر صاحب مرحوم کی یہ آخری یادگار مٹ چکی ہوتی۔محترم مولانا نے محترم نیشنل امیر صاحب جرمنی سے اس قبر کی توسیع کے لئے مطلوبہ رقم منظور کرواکر اس قبر کا کرایہ ادا کروادیا اور اسے منہدم ہونے سے بچالیا۔اس کے بعد جب میں نے مختلف ذرائع سے ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کے بارہ میں معلومات حاصل کیں تو میرے دل میں شدت سے یہ احساس ہوا کہ ان کی ذات ایسی نہیں کہ انہیں بھلادیا جائے۔اس پائے کا یورپی مسلمان توصدیوں بعد پیدا ہوا جو دنیاوی لحاظ سے بھی بڑا مقام رکھتا تھا اور روحانی مقام کا اندازہ تو اللہ تعالیٰ ہی جا نتا ہے مگر ان کے ملنے اور دیکھنے والوں کی نظر میں وہ اولیاءاللہ میں سے تھے۔میں ان تمام بزرگوں،دوستوں اور عزیزوں کا جنہوں نے اس شمارہ کی تیاری میں تعاون کیا احسان مند ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے۔ان میں سرفہرست میرے محسن خاص محترم چوہدری حمیداللہ صاحب،وکیل اعلیٰ تحریک جدید۔مکرم چوہدری حمید نصراللہ صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور۔محترم بشیر احمد خاں رفیق،سابق امام لندن۔برادرم چوہدری محمد شریف خالد۔عزیزہ منزہ عاقل خاں اور ان کے والد محترم محمد عاقل خان۔مکرم مولانا طاہر احمد صاحب مربی سلسلہ جرمنی۔مکرم عبدالشکور بھٹی اور برادرم مکرم چوہدری کولمبس خاں صاحب کے علاوہ میرے اپنے بچے ہیں جنہوں نے اس رسالہ کے ترجمہ اور تحریر میں میرا ہاتھ بٹایا مگر جن کے نام لکھنا یہاں پسند نہیں کرتا۔اسی طرح میں اپنے تمام بھائیوں اور عزیزوں یعنی جملہ ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی اور بالخصوص ممبران ایڈوائزری کمیٹی کا تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی رہنمائی اور معاونت مجھے ہر قدم پر حاصل رہتی ہے۔میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ ان تمام کو اس رسالہ کے قارئیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اس سلسلہ میں میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالہادی کی اپنی تصنیف Das Haus in Mekka جو جرمن زبان میں ہے نہیں پڑھ سکتے تو برادرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کی کتاب بعنوان میراحج بیت اللہ ضرور پڑھیں۔یہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔مولانا صاحب کے اس ترجمہ کی اہمیت اور افادیت اور ڈاکٹر کیوسی صاحب کی ذات گرامی کی بلندی کا اندازہ ذیل کے دو خطوط سے ہو جائے گا۔(خطوط اگلے صفحہ پر دیکھیں) نوٹ:مندرجہ بالا فوٹو میں مکرم ڈاکٹر نعیم طاہر،محمد عاقل خاں،مکرم میجر عبدالوحید رانا،اور ظہیر احمد شامل نہ ہوسکے)

خاکسار حمید احمد چوہدری۔صدر تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

حضرت الحاج چوہدری محمد ظفر اللہ خان۔سابق صدر عالمی عدالت انصاف فرماتے ہیں:

ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حد درجہ کے اخلاص، تقویٰ اور استقامت کے باعث مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز تھے۔اور انہیں بھی میرے ساتھ گہری محبت تھی۔غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ وَ جَعَلَ الجَنَّۃَ العُلےٰا مَثوَاہُ،آمین

محترم جناب فضل الٰہی انوری صاحب نے مرحوم کی خودنوشت داستانِ حج بیت اللہ کا ترجمہ جرمن زبان سے اردو میں کرکے اردو خوان طبقہ پر احسان عظیم کیا ہے۔فجز اہُ اللّٰہ فِی الدَّارَینِ خَیرًا۔مرحوم اگرچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے نسبتاً دیر سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہوکر عشّاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زُمرے میں شامل ہوئے لیکن راستی، پاکبازی اور تقویٰ کی راہوں پر بڑی تیزی سے گامزن ہوکر پہلے آنے والوں سے بہتوں پر سبقت لے گئے۔ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یؤتِیْہِ مَن یَّشَاءُ۔محترم کی داستانِ حج بیت اللہ جسے میرے دردمندانہ دل نے مجھے ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور کردیا،ناظرین کے لئے گہری دلچسپی کا موجب ہوگی۔اور اللہ تعالیٰ چاہے تو بہتوں کے لئے حق کی شناخت اور قبولیت کا ذریعہ بنے گی۔

والسلام

خاکسار محمد ظفر اللہ خان،لاہور،۸، دسمبر ۱۹۸۰ء

کتاب ''میراحج بیت اللہ'' کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے (قبل از زمانہ خلافت کے) تاثرات

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم

پیارے برادرم انوری صاحب!السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی صاحب کی خودنوشت داستان کو اردو میں ڈھال کر آپ نے اردو پڑھنے والوں پر ہی نہیں اردو زبان پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ ایک ہی نشست میں یہ کتاب پڑھ لوں لیکن ایک عاشق کی یہ تحریر اتنی شدید برقی قوت اپنے اندر رکھتی ہے کہ ہر لفظ پُر ہیجان اور ہیجان آمیز ہے،پڑھنے والے کے لئے اپنے جذبات کو قابو رکھنا اتنا مشکل ہوجاتا ہے کہ اگروہ مسلسل جذبات کو دبا کر اس کے مطالعہ کی کوشش کریں تو جیسا کہ قادیان میں داخل ہوتے وقت کیوسی صاحب کو خوف تھا،یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ قلب وذہن میں کوئی دھماکہ نہ ہو،کوئی آگ پھٹ نہ پڑے۔پس احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ حوصلہ اور صبر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس کا مطالعہ کروں۔آپ نے اردو میں ڈھال کر بڑی خدمت کی ہے۔

ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم اِس لائق ہیں کہ بھلائے نہ جائیں۔اور اس کتاب کے مطالعہ کے بعد وہ بھلائے نہیں جاسکتے۔وہ اس لائق ہیں کہ دل کی گہرائی سے نمناک اور گداز دعائیں ان کے لئے اُٹھتی رہیں۔اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ایک قانونِ طبعی کی طرح یہ واقعہ رونما ہوتا رہتا ہے۔اور بار بار اُسی قسم کا چشمہ دل سے پھوٹتا ہے جیسے کشفی حالت میں انہوں نے ایک مقدس ماں کی قبر کے دل سے اُس وقت پھوٹتا دیکھا جب وہ اُس کے بزرگ بیٹے کا سلام اُسے پہنچا رہے تھے۔بعد ازاں بھی اس مطالعہ کی یاد دعاؤں کے خاص مواقع پر کیوسی صاحب کے لئے دعا کا حصہ طلب کرتی رہے گی۔

اِس کتاب کے مطالعہ سے اُن مبلغین کرام کے لئے بھی دعا کی تحریک ہوتی ہے جن کے خلوص اور رُوحِ وقف کو نوازتے ہوئے خدا تعالیٰ نے ڈاکٹر کیوسی کی صورت میں ایک عظیم الشان شیریں پھل احمدیت کے درختِ وجود کو عطا فرمایا۔میں انشاء اللہ اس کتاب کے متعدد نسخے خرید کر اپنے دوستوں کو تحفۃً ارسال کروں گا۔مجھے اپنے جرمن دوستوں کے لئے اصل جرمن نسخہ کی ضرورت ہے۔کیا آپ اس بارہ میں رہنمائی فرما سکیں گے؟

آخر پر میری گذارش ہے کہ ڈاکٹر کیوسی صاحب پر ایک نیا مضمون انصار اللہ کے لئے تحریر فرمائیں جو ان کی تصویر کے ساتھ شائع ہو اور اس کتاب کے بعض خصوصی اقتباسات سے مزین ہو۔مثلاً بیت الدعا والا واقعہ،حضرت چودھری صاحب کی والدہ کی قبر پر رونما ہونے والا کشف،مسعود جہلمی صاحب کی والدہ سے ملاقات والا واقعہ،مکہ میں سورج کی شعاؤں والا واقعہ۔بہت ہی پیارا مضمون بنے گا اور اس کتاب کا وسیع تعارف بھی ہوجائے گا۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام خاکسار مرزا طاہر احمد ۱۳۶۱۔۱۔۱۴ہجری شمسی ۱۹۸۲۔۱۔۱۴عیسوی

اداریہ

قارئین کرام۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ

المنار جرمنی کا یہ شمارہ اٹلی کے شہریوں کی طرح کیتھولک گھرانے میں پروردہ ایک ایسی ہستی یعنی مکرم ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی صاحب کے حالات زندگی پر مشتمل ہے جو نصف صدی قبل اسلام کے حُسن کے ایسے گرفتار ہوئے کہ اس دنیا کی وَرلی زندگی کے بقیّہ دس سالوں میں اخلاص اور فدائیت میں ایک بلند مرتبہ تک پہنچ کر ہمارے لئے قابلِ تقلید مثال قائم کر گئے۔انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثالث رحمہ کا قرب پایا اور انکی بے پناہ شفقت کا موردر ہوئے۔ محترم چوہدری ظفراللہ خاں صاحب اور اس دور کے مربیان سلسلہ جرمنی کے ساتھ محبت اور عقیدت میں اسقدر بڑھے ہوئے تھے کہ گویا حقیقی بھائی ہیں۔یورپ کی اعلیٰ صنعتی انتظامی سوسائٹی کا ایک مقبول رُکن رہتے ہوئے آپ کا لومتہ الائم سے بے نیاز بروقت نمازوں میں شغف۔قران مجید سے بے پناہ محبت۔شعائرِاسلام کی دل کی گہرائیوں سے پابندی اس بات کا ایک عملی ثبوت ہیں کہ اسلام علاقائی حدود اور معاشرتی قیود کا پابند نہیں اور کوئی بھی شخص اس ہدایت کی راہ پر دیانت داری سے قدم رانی کرے تو الحادی تہذیب بھی اس کے سامنے گُھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔یورپ کی ایک بہت بڑی انشورنس کمپنی GENERALI VERSICHERUNG جس کے وہ ڈائریکٹر تھے اس نے جو میموریںڈم آپ کی وفات پر شائع کیا اس میں انکی خدمامت کو سراہتے ہوئے بالخصوص اس بات کا تذکرہ کیا کہ مرحوم عقیدہ کے لحاظ سے ایک احمدی مسلم تھے۔انہوں نے اسلامی تعلیم کی موافق دیگر ارکان اسلام روزہ حج زکواۃ پر نہ صرف عمل کیا بلکہ حج بیت اللہ کے بعد ایک کتاب اسی موضوع پر بھی جرمن زبان میں تحریر کی جس کا اردو ترجمہ۔ میراحج بیت اللہ۔کے نام سے مکرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب نے کیا تھا جسے جرمن جماعت نے شائع کیا ہے۔انکی ان تمام خوبیوں کے باوصف انکی ایک ایسی خدمت جس کی بدولت ان کا نام رہتی دنیا تک عزت کے ساتھ لیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام قرآن مجید کا اسپرانٹو زبان میں ترجمہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق کہ جو لوگ قران کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے محترم کیوسی صاحب خدا کے فضل سے اس عظیم سعادت سے سرفراز ہوئے۔ قادر مطلق کے مغفرت کے سچے وعدوں کی بدولت انکی کامل سرخروئی کے لئے ہم دِل کی گہرائیوں سے پُراُمید ہیں۔

جہاں آپ دنیاوی طور پر بڑی عظمت کے حامل تھے اور دین اسلام کے ساتھ کامل عملی وابستگی اور احکام شریعت پر من وعن عمل انکی عاقبت کے لئے الٰہی مغفرت کو کھینچنے کا باعث ہے وہاں ہم نوواردانِ مغرب کے لئے محترم ڈاکٹر کیوسی صاحب کی سوانح میں ایک ایسا حوصلہ افزا پہلو دکھائی دیتا ہے جس سے دین اسلام کے مغرب میں ناقابلِ عمل ہونے کے اعتراض کا مکمل طور پر سد باب ہو جاتا ہے بلکہ عمل کرنے کے نتیجہ میں روحانی بشاشت نصیب ہوتی ہے۔آج اسلام کے خوبصورت چہرے پر دونوں اطراف سے دھبے لگائے جارہے ہیں وہ حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ

ہر طرف کفراست جوشاں ہمچو افواجِ یزید دینِ حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدین

کے مطابق بڑھ بڑھ کر اسلام پر حملے کئے جارہے ہیں۔الحمدللہ کہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی خوبصورتی کو نکھارنے کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ اپنے چنیدہ بندوں کے ذریعہ فرمارہاہے۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا یہ فکرانگیز ارشاد کہ :

’’مسلمان بنانا آسان ہے مگر اسلام کو اِن سے بچانا مشکل ہے اور اِسوقت میرے سفر ﴿پہلا سفر یورپ۔ناقل﴾ کی یہی غرض ہے۔یورپ کے واقف کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔یورپ ضرور اسلام لائے گا مگر وہ ساتھ ہی اسلام کو بگاڑ دے

گااوراس کی شکل کو بالکل مسخ کردے گا۔ بالکل ممکن ہے کہ یورپ میں چاروں طرف اللہ اکبر کی آوازیں آنے لگیں اور سب جگہ گرجوں کی جگہ مساجد بن جائیں لیکن یہ فرق ظاہر کا ہوگا۔ لوگ تثلیث کی جگہ توحید کا دعویٰ کریں گے۔ مسیح کی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت زیادہ کریں گے۔ مسیح موعود پر ایمان لائیں گے۔ گرجوں کی جگہ مسجدیں بنائیں گے۔ مگر ان میں وہی ناچ گھر وہی عورت اور مرد کا تعلق۔ وہی شراب وہی سامانِ عیش نظر آئیں گے۔ یورپ یہی رہے گا۔ گو وہ بجائے عیسائی کہلانے کے مسلمان کہلائے گا۔ میری عقل یہی کہتی ہے کہ حالات ایسے ہی ہیں مگر **میرا ایمان کہتا ہے کہ تیرا فرض ہے کہ تُو اِس مصیبت کو جو اگر اسلام پر نازل ہوئی تو اس کو کچل دے گی۔ دور کرنے کی کوشش کر۔ غور کر اور فکر کر اور دعا کر۔ پھر غور کر اور فکر کر اور دعا کر۔ اور پھر غور کر اور فکر کر اور دعا کر۔ کیونکہ تیرا خدا بڑی طاقتوں والا ہے شاید وہ کوئی درمیانی راہ نکال دے اور اس تباہی کو جو اسلام کے سامنے ایک نئے رنگ میں کھڑی ہے دور کردے۔** غیر احمدیوں کے لئے یہ دِقت ہے کہ یورپ اپنی مخالفت سے ان کو تباہ کر دے گا ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ یورپ اپنی دوستی سے ہمارے دین کو تباہ کردے گا۔ وہ تو اپنی حالت پر خوش ہیں۔ ہم خوش نہیں ہو سکتے۔ اُن کو حکومتوں کی فکر ہے۔ اور ہمیں اسلام کی۔ پس ہمارا فرض ہے کہ اس مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا علاج سوچیں اور یورپ کی تبلیغ کے لئے ہر قدم جو اٹھائیں اس کی متعلق پہلے غور کر لیں اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہاں کے حالات کا عینی علم حاصل نہ ہو۔ پس اِسی وجہ سے باوجود صحت کی کمزوری کے میں نے اِس سفر کو اختیار کیا ہے۔ **اگر میں زندہ رہا تو میں انشاءاللہ اس علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ اگر میں اس جدوجہد میں مر گیا تو اے قوم میں ایک نذیر عریاں کی طرح تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ اس مصیبت کو کبھی نہ بھولنا اسلام کی شکل کو کبھی نہ بدلنے دینا۔ جس خدا نے مسیح موعود کو بھیجا ہے وہ ضرور کوئی راستہ نجات کا نکال دے گا۔ پس کوشش نہ چھوڑنا۔ نہ چھوڑنا۔ آہ نہ چھوڑنا۔ جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ ہرگز نہیں بدلی جا سکتی۔ جو اس کو بدلتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے وہ اسلام کی تباہی کی پہلی بنیاد رکھتا ہے۔ کاش وہ پیدا نہ ہوتا''۔** (انوار العلوم صفحہ 432-433)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد جو تحریکات تبلیغ اسلام کے لئے جاری فرمائیں ان میں سے ایک یورپ میں مساجد کی تعمیر تھی جس کی برکت سے پہلے ہمبرگ میں 1957 اور پھر فرانکفورٹ میں 1959 میں مسجد کی تعمیر ہُوئی جسکے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک بچے کی نظر پڑی اور اس کے استفسار پر عمارت کی حقیقت جاننے کی خواہش ہی محترم کیوسی صاحب رحمتہ اللہ کے لئے ایک ایسی دائمی اسیری کا باعث بنی جس کے بغیر انسان کو حقیقی رستگاری حاصل نہیں ہوسکتی۔

اُمید کی جاسکتی ہے کہ المنار کے اس شمارے سے دوستوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا ان کو اِس بزرگ کے حق میں دعا کی بھی توفیق ملے گی جس کے محترم کیوسی صاحب عین مستحق ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور انکی نیک مثال کو ہمارے لئے مشعلِ راہ بنائے اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز ارشاد کو تبلیغ کے میدان میں ہر حوصلہ شکن مرحلہ پر پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ آگے قدم بڑھانے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین۔

الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمۃ اللہ علیہ

"ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم اِس لائق ہیں کہ بھلائے نہ جائیں"

"وہ اس لائق ہیں کہ دل کی گہرائی سے نمناک اور گداز دعائیں ان کے لئے اٹھتی رہیں"

(حضرت مرزا طاہر احمد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

"ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حد درجہ کے اخلاص، تقویٰ اور استقامت کے باعث مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز تھے"

"Dr. Chuissi Sahib was a walking angel on earth and was a great Sufi."

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں رضی اللہ عنہ

میں ایک ایسے بزرگ کا ذکر کرنے جا رہا ہوں جن کی زیارت کا تو مجھے شرف حاصل نہ ہو سکا مگر ان کی فدائیت اور تقویٰ کا بہت تذکرہ سنا ہے۔ ان کے مزار پر تو ہر بار جب قبرستان جانے کا موقع ملتا ہے دعا کرنے کی توفیق ملتی ہے مگر ہم میں سے کم کو ان کا مکمل تعارف نہیں۔

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمہ اللہ تھے تو اٹلی کے مگر اپنی ملازمت کے سلسلہ میں لمبا عرصہ جرمنی میں رہے اور یہیں وفات پائی۔ وہ بنیادی طور پر ایک علمی شخصیت کے مالک تھے۔ Mathematics کے مضمون میں انہوں نے پی ایچ ڈی کی ہوئی تھے۔ کچھ عرصہ اسی مضمون کے پروفیسر رہے اور پھر جلد ہی اٹلی کی سب سے بڑی انشورنس کمپنی Generali Versicherungen سے وابستہ ہو گئے۔ جرمنی میں پہلے وہ میونخ میں متعین ہوئے بعد میں ان کا تبادلہ فرینکفورٹ ہو گیا ور پھر جرمنی کے علاوہ کئی اور یورپی ممالک بھی ان کے ماتحت کر دیئے گئے۔ اپنی ملازمت کے لحاظ سے تو وہ بہت بڑے شخص تھے مگر ایک ادر سادہ، منکسر المزاج انسان تھے۔ والدین کی طرف سے ان کا تعلق ایک راسخ العقیدہ Catholic خاندان سے تھا اور ان کی اہلیہ بھی ایک کٹر Catholic تھیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم بھی عیسائیوں کے اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اگرچہ بعد میں وہ بتایا کرتے تھے کہ عیسائیت کے بعض عقائد سے وہ مطمئن نہ ہوتے تھے۔

اپنی اہلیہ اور باقی خاندان کی خواہش کے خلاف ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ جتنا دلچسپ ہے اتنا ہی ایمان افروز بھی ہے۔ فرینکفورٹ میں ان کی رہائش احمدیہ مسجد نور کے قریب تھی۔ 1964 میں ایک روز اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ سیر کو جاتے ہوئے اس چھوٹی سی مسجد، جس کی بلڈنگ ارد گرد کے باقی گھروں سے مختلف نوعیت کی تھی اور ایک چھوٹے سے سبز گنبد اور چھوٹے چھوٹے میناروں پر مشتمل تھی، کے پاس سے گزرتے ہوئے بچے نے اپنے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے باپ سے پوچھا کہ یہ عجیب سی عمارت کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کہا کہ اندر جا کر پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ مسجد کے اندر ان دنوں امام محمود احمد چیمہ صاحب مرحوم تھے جنہوں نے ان کا استقبال کیا اور بتایا کہ یہ مذہب اسلام کی عبادت گاہ ہے اور اسے مسجد کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام محمود احمد صاحب نے یقینی طور پر مذہب اسلام کا کچھ نہ کچھ تعارف کرایا ہوگا۔ اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کو اسلام کے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا مگر چونکہ وہ ایک نیک فطرت محقق تھے، انہوں نے خواہش کی کہ ان کو مذہب اسلام کی اگر کوئی "بائبل" ہو تو دی جائے۔ جس پر امام محمود احمد چیمہ مرحوم نے انہیں قرآن کریم مع جرمن ترجمہ پیش کر دیا۔ گھر جا کر جب انہوں نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا تو ان کی نیک فطرت پر اس کا اسقدر اثر شروع ہوا کہ ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ ترجمہ کافی نہیں ان کو اس مقدس کتاب کی گہرائی تک پہنچنے کے

لئے ان کو اس کی original text سیکھ کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ چیمہ صاحب سے ہی انہوں نے عربی کا پہلا سبق لیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب چیمہ صاحب کا تبادلہ واپس پاکستان ہو گیا اور ان کے بعد برادرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب جو جرمنی میں آ چکے تھے اور ان دنوں ہمبرگ میں متعین تھے فرینکفورٹ تشریف لے آئے اور ڈاکٹر کیوسی صاحب نے عربی سیکھنے کا عزم جاری رکھتے ہوئے محترم انوری صاحب سے عربی کے اسباق لینے شروع کئے۔

پھر جب انوری صاحب کی جگہ برادرم محترم مولانا مسعود احمد جہلمی مرحوم بطور امام مسجد نور تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ان سے عربی سیکھنے کا عمل جاری رکھا۔ دراصل قرآن کریم کے مطالعہ سے اب وہ اسلام سے بہت متاثر ہو چکے تھے اور انہوں نے چھپ کر نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ قرآن کریم کی محبت میں اس قدر گرفتار ہوئے اور عربی زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ اس کا Esperanto زبان میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسپیرانٹو بھی ان کی مادری زبان نہیں تھی۔ اس پر بھی عبور حاصل کیا۔ اور ترجمہ مکمل کر کے حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ 1970 میں ربوہ اور قادیان کا سفر اختیار کیا۔ حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ارشاد پر حضور کی موجودگی میں جلسہ سالانہ ربوہ میں تقریر کی۔ پھر 1971 میں عمرہ کے لئے مکہ معظمہ گئے اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اور اگلے سال 1972 میں حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اپنے حج کا سفر نامہ اپنی ڈائری کی شکل میں لکھا اور جرمن زبان میں شائع کرایا۔ ان کی اس کتاب کا ٹائیٹل ہے Das Haus in Mekka۔ برادرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کروایا ہے۔ جن دوستوں کو جرمن پڑھنے میں دقت ہو ان کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حج کے بعد اگلے سال 1973 میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا اور وہ اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کا مزید تعارف اسی شمارہ میں خود مولانا فضل الٰہی انوری کی زبانی ملاحظہ فرمائیں

خاکسار حمید احمد چوہدری

الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمۃاللہ علیہ

حضرت الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی رحمۃاللہ علیہ ایک عابد، زاہد بلند پایہ کے احمدی مسلمان بزرگ تھے۔آپ ایک بڑی کمپنی کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔اور یقیناً دنیاوی نقطہ نظر سے باحیثیت اور مالدار شخص تھے۔اس کے باوجود نہایت عاجزانہ زندگی گزاتے تھے۔ وہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے چُن لیا تھا۔اور اپنی جناب سے سچائی اور صداقت کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ان کی زندگی کے حالات پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی ان پر اپنی رحمت کا سایہ رکھا۔اور ہمیشہ ان کی خود رہنمائی فرمائی ۔

محترم کیوسی صاحب نے اسلام کو صحیح طریق پر سمجھا اور اس پر پورے صدقِ دِل سے عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق و محبت کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے وہ مقام حاصل کیا جو خاکسار کی نگاہ میں ایک وَلی اللہ کا ہوتا ہے۔ خاکسار کو ان سے تعارف کا موقع محترم باباجی (حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب) کے ذریعہ ملا۔ آپ جب جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے پاکستان تشریف لاتے تو محترم باباجی کے مہمان ہوتے۔انہیں کے گھر میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ جس سال انہوں نے حج کیا اس سال وہ کسی وجہ سے ہندوستان کے راستے تشریف لائے تھے۔اور اس سال واہگہ کی بجائے فیروزپور والے بارڈر کے راستے تشریف لائے تھے۔خاکسار ان کو لینے بارڈر پر گیا تھا۔ راستہ میں گفتگو کے دوران انہوں نے قادیان میں بہشتی مقبرہ میں پیش ہونے والا واقعہ خاکسار کو سنایا جس کا بیان دہرانا یہاں ضروری نہیں۔ان کی سوانح میں آچکا ہے اور اس رسالہ میں اس کا ذکر ہوگا۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے متعلق بھی ذکر کیا۔وہ بھی یقیناً اس رسالہ میں ضرور ہوگا۔

خاکسار زندگی میں پہلی مرتبہ یورپ 1973 میں گیا تھا۔وہاں محترم شریف خالد صاحب نے بڑی شفقت سے خاکسار کی میزبانی کی اور ہر طرح کی معاونت اور رہنمائی فرمائی۔ جرمنی سے خاکسار دوسرے یورپین ممالک کی سیر کرکے لندن آگیا اور وہیں خاکسار کو ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کے انتقال کی اطلاع ملی تو خاکسار جرمنی آگیا تاکہ محترم ڈاکٹر صاحب کے جنازہ میں شامل ہونے کی سعادت مل سکے۔ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی محترم شریف خالد صاحب کے ہاں قیام کیا اور محترم کیوسی صاحب کے جنازہ میں شامل ہونے کی توفیق پائی۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے اسلامی طریقہ پر تیاری کرنے کی اجازت دی۔اور محترمہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر کیوسی اور ان کی صاحبزادی ڈاکٹر صاحب کے غسل کے بعد تدفین تک وہیں موجود رہیں اور اظہار کیا کہ ان کا دل مطمئن ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کو قبول کرے اور ان کو اس کی جزائے خیر دے۔

محترم ڈاکٹر کیوسی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو بعد میں آتے ہیں لیکن پہلوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جب یوروپ اسلام اور احمدیت قبول کرے گا تو ڈاکٹر صاحب کا مقام اس بیج کی طرح ہوگا جس سے کئی گوشے نکلتے ہیں اور ان میں سے پھر ہزاروں بیج نکل کر زمین کے گوشہ گوشہ کو سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قوم کو جلد ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صداقت کو جاننے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

خاکسار حمید نصراللہ خاں مورخہ 03-11-2014

الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالوکیوسی

محترم الحاج ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالوکیوسی اٹلی کے رہنے والے تھے۔ تعلیم کے لحاظ سے آپ ریاضی میں پی ۔ایچ۔ڈی تھے۔کاروباری لحاظ سے آپ فرانکفورٹ میں قائم شدہ اطالوی انشورنس کمپنی General Insurance Company کی جرمن شاخ کے ڈائریکٹر کے طور کام کررہے تھے۔یہیں پر جماعت احمدیہ جرمنی کا مرکزی مشن اور ۱۹۵۹ء میں تعمیر ہونے والی مسجد واقع ہے جو ''مسجد نور (NUUR-MOSCHEE) '' کہلاتی ہے۔ڈاکٹر کیوسی صاحب کا جماعت احمدیہ سے پہلا تعارف ۱۹۶۴ء میں اُس وقت ہوا جب مکرم چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ مسجد نور کے امام تھے۔اِس تعارف کو انہوں نے اسلامی دنیا کے ساتھ اپنا پہلا تعارف قرار دیا ہے ۔ (محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب)

9۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۹ جولائی ۱۹۶۷ء کو فرانکفورٹ کی احمدیہ مسجد نور میں ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالوکیوسی صاحب سے گفتگو فرماتے ہوئے:
پس منظر میں دائیں جانب مولانا فضل الٰہی صاحب انوری اور بائیں جانب چودھری محمد علی صاحب، پرائیوٹ سیکرٹری حضور تشریف فرما ہیں۔

خاکسار اُس وقت جرمنی میں پہنچ چکا تھا مگر ہمبرگ میں تھا۔۱۹۶۵ء میں خاکسار کے فرانکفرٹ پہنچنے کے بعد پر ڈاکٹر صاحب کا مسجد سے تعلق بدستور قائم رہا۔آپ اُس وقت مکرم چیمہ صاحب سے قاعدہ یسرنا القرآن پڑھ رہے تھے۔۱۹۶۵ء کے آخر پر مکرم چیمہ صاحب کے واپس پاکستان چلے جانے کے بعد تدریس کے فرائض خاکسار کے سپرد ہوئے۔ محترم کیوسی صاحب جیسا کہ آپ نے ظاہر فرمایا، عربی زبان سیکھنا چاہتے تھے۔وقت گزرتا چلا گیا اور ڈاکٹر کیوسی صاحب بڑی باقاعدگی کے ساتھ مسجد میں آکر عربی پڑھتے رہے۔ قاعدہ یسرنا القرآن ختم کر لینے کے بعد انہوں نے عربی کی کوئی اَور کتاب پڑھنے کی بجائے قرآن کریم پڑھنے کی خواہش کی۔ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ قرآن کریم کا جو حصہ وہ پڑھ لیتے، اسے اپنے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ کر لیتے۔ جب دوسرے دن تشریف لاتے تو وہ حصہ انہیں پوری روانی کے ساتھ یاد ہو چکا ہوتا۔ اگرچہ ان کا یہ ذوق اور ولولہ ان کے اندر رونما ہونے والے کسی بہت بڑے تغیر کی نشاندہی کر رہا تھا تاہم ابتداء میں اسے نہ ہم نے محسوس کیا اور نہ خود انہیں اس کا کچھ اندازہ ہو سکا۔کیونکہ جسمانی طور پر ہمارے اِس قدر قریب آجانے کے باوجود وہ اپنے عیسوی مذہب پر بڑی پختگی سے قائم تھے۔ بلکہ ایک بار جب ان کے بارے میں ہمارے بعض دوستوں کو کچھ زیادہ خوش فہمی ہونے لگی تو انہوں نے خاکسار کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

''انوری صاحب! میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے بارے میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ میں ایک رومن کیتھولک عیسائی فیملی سے تعلق رکھتا ہوں جو مذہبی اعتبار سے کوئی متبادل صورت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نہ ہی میرے خانگی اور پیشہ ورانہ حالات اس کی اجازت دیتے ہیں۔ بس مجھے اپنا دوست سمجھیں یا خادم، مگر اس سے زیادہ نہیں''

ڈاکٹر صاحب کے ان الفاظ میں جہاں محبت، احترام اور انکساری کا رنگ پایا جاتا تھا، وہاں ایک عزم اور سختی بھی موجود تھی۔ تاہم اس میں ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے، ہم بجا طور پر سمجھتے تھے کہ :

؎ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

چنانچہ مذکورہ بالا تنبیہ کے باوجود ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذوق حصول تعلیم میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ پہلی سی باقاعدگی کے ساتھ مسجد میں آتے اور قرآن کریم پڑھتے رہے۔ سورۃ البقرہ کے پہلے چند رکوع با ترجمہ پڑھ لینے کے بعد اب انہوں نے ارادہ کیا کہ قرآن کریم کا کسی ایسی زبان میں ترجمہ شروع کر دیں جس میں ابھی تک ترجمہ نہ ہوا ہو۔ اس کے لئے انہوں نے یورپ کی ایک مصنوعی زبان اسپرانٹو (Esperanto) کا انتخاب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح پر انہیں قرآن کریم کو اچھی طرح سمجھنے اور اسکے ایک ایک لفظ پر غور کرنے میں مدد ملے گی۔ اس دوران جبکہ وہ اپنے دفتر سے کچھ ہفتوں کی رخصت لے کر فرانکفرٹ سے کوئی پچاس کلو میٹر دور ایک پر سکون قصبہ میں جا کر وہاں ایک ہوٹل میں

مقیم ہوئے تو اپنے آپ کو دنیا و مافیہا سے مستغنی پا کر آپ دن رات ترجمہ کے کام میں مشغول رہنے لگے۔قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جسے تعصب سے بالا ہو کر پڑھنے والا اس کی روحانی تاثیرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ڈاکٹر کیوسی صاحب نہ صرف قرآن کریم کو پڑھ رہے تھے بلکہ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کے ایک ایک لفظ اور اس کی ایک ایک آیت پر غور کر رہے تھے۔تعصب ان میں نام کو نہ تھا۔لازی بات تھی کہ وہ اس کلام معجز بیان کے گرویدہ ہو جاتے اور عملاً ایسا ہی ہوا۔چنانچہ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اِن چند ہفتوں کے دوران میں نے تجربۃً اسلامی نماز کی بھی مشق شروع کر دی کیونکہ اِس طور پر میں اپنے اندر پُراسرار اور لاشعوری طور پر اُٹھنے والے جذبات کی اُس رَو کا جو لازمی طور پر قرآن کریم پر غور اور تدبر کے نتیجے میں پیدا ہو رہی تھی، مداوا اور اس میں اپنے ذوق جستجو کی تکمیل پاتا تھا۔اور چونکہ وہ نماز کے آداب و قواعد سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لئے وہاں سے واپس آنے اور خاکسار کو یہ سب کچھ بتانے کے بعد ایک تو وہ نماز کے بارے میں خاکسار سے کچھ نہ کچھ پوچھ لیا کرتے۔دوسرے، انہوں نے شراب کو کُلیۃً چھوڑنے اور اسے ہاتھ تک نہ لگانے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔یہ کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرنے میں کس قدر عزم دکھایا، یہ قصہ جتنا دلچسپ ہے، اتنا ہی ایمان افروز بھی ہے۔

Dr. and Mrs. Chiussi

غالباً دسمبر ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ وہ ایک دن حسب معمول مسجد میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اسلام کا شراب کی تحریم کے بارے میں حکم مجھے بڑی حکمت پر مبنی نظر آتا ہے۔شراب ایسی چیز ہے جس کا ضرر فی الواقعہ اس کے نفع سے زیادہ ہے۔اور اس لئے بھی کہ میں اللہ کی کتاب قرآن کریم پڑھ رہا ہوں، میں شراب کو کلیۃً ترک کرنا چاہتا ہوں (اُس وقت تک انہوں نے اپنی اسلام سے وابستگی کا حال خاکسار پر ظاہر نہیں کیا تھا)۔اس کے لئے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔میں بڑی دلچسپی کیساتھ ان کی بات سنتا رہا۔کہنے لگے، اگرچہ شراب ہمارے گھر میں پہلے ہی بہت کم پی جاتی ہے تاہم یکم جنوری ۱۹۶۷ء سے میں عہد کرنا چاہتا ہوں کہ میں آئندہ اس کا ایک قطرہ بھی منہ کو نہیں لگاؤں گا۔فرمانے لگے، مگر چونکہ یورپی ماحول میں شراب بڑی کثرت سے پی جاتی ہے اور خود مجھے کاروباری سلسلے میں کئی ایسی مجالس میں شریک ہونا پڑتا ہے جہاں آغاز بھی شراب سے ہوتا ہے اور آخر تک شراب ہی شراب چلتی ہے، اس ماحول اور اس فضا کے اندر رہتے ہوئے ہو سکتا ہے کہ میں کسی وقت کمزوری دکھاؤں اور اپنا عہد توڑ بیٹھوں۔اس لئے آپ کبھی کبھار مجھ سے پوچھ لیا کریں کہ آیا میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔اور یہ خوف کہ اگر آپ پوچھیں گے تو میں کیا جواب دوں گا، مجھے اپنے عہد کو توڑنے سے باز رکھے گا۔کیونکہ اگر میں نے کبھی کمزوری دکھائی اور آپ کے پوچھنے پر میں نے اس کا اقرار کر لیا تو یہ بدعہدی ہو گی جو مجھے پسند نہیں۔اور اگر میں نے اپنی بدعہدی کو چھپایا تو یہ جھوٹ ہو گا اور جھوٹ سے مجھے نفرت ہے۔میں ڈاکٹر کیوسی صاحب کے اس جوش

استقامت اور خلوص نیت پر عش عش کر اٹھا۔اور پھر اپنے اس وعدے کے مطابق ان سے کبھی کبھی پوچھ لیا کرتا۔وہ بھی مسکرا کر جواب دیتے کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔چندماہ گزرنے پر کہنے لگے، میں سمجھتا تھا کہ میں نے کوئی بڑا تیر مارا ہے حالانکہ کبھی کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی۔

اسی طرح دن گزرتے چلے گئے۔کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر کیوسی صاحب کو اپنے وطن اٹلی جانے کا اتفاق ہوا۔جب واپس آئے تو میں نے پوچھا کہ آپ کا عہد کیسا رہا۔فرمانے لگے،بس ایک بار ایسی نوبت آئی کہ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ آپ پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا تو میں غلطی کر بیٹھتا۔میرے پوچھنے پر کہنے لگے کہ وہاں ایک فیملی نے جس کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے،میری دعوت کی اور بڑا پر تکلف کھانا پکایا۔کھانے کے بعد جیسا کہ ان کا دستور ہے،صاحب خانہ نے شراب پیش کی اور کہا کہ یہ خاص طور پر آپ کے لئے منگائی گئی ہے۔میں نے عذر کیا مگر گھر کی مالکہ اصرار کرنے لگی کہ تھوڑی سی چکھ تو لیں۔اور قریب تھا کہ میں اس کا دل رکھنے کی خاطر ایک آدھ گھونٹ پی لیتا مگر مجھے خیال آیا کہ اگر آپ پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔چنانچہ وہ اصرار کرتی رہی اور میں معذرت کرتا رہا یہاں تک کہ بالآخر وہ خود ہی خاموش ہو گئی۔

کہتے ہیں عشق اور مشک چھپے نہیں رہ سکتے۔ڈاکٹر کیوسی صاحب بھی اپنے قلبی ہیجان کی اِس کیفیت کو جو قرآن کریم کے مطالعہ کے نتیجے میں ان کے اندر پیدا ہو رہی تھی،زیادہ دیر تک اپنے سینے میں چھپا نہ سکے۔چنانچہ جلد ہی ان کے خیالات میں وہ زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی جو بالآخران کے اسلام سے پوری طرح وابستہ ہو جانے پر منتج ہوئی۔اس بارے میں خاکسار کو یاد ہے کہ وہ ایک دن جب حسب معمول مسجد میں تشریف لائے تو کہنے لگے:

> ''انوری صاحب! آج میں ایک راز کی بات کہنی چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ میرے اور آپ کے درمیان صیغہ راز میں رہے۔وہ یہ ہے کہ میں سچے دل سے تسلیم کر چکا ہوں کہ اسلام ہی وہ حقیقی مذہب ہے جو مجھے قلبی سکون عطا کر سکتا ہے۔لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پر میں ایمان لاتا ہوں اور ایک مسلمان کے طور پر اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔نماز میں کافی عرصہ سے پڑھ رہا ہوں۔(اور فی الواقعہ جیسا کے انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے،پنج وقتہ نماز کی مشق انہوں نے ترجمہ قرآن کے دوران ہی شروع کر دی تھی۔ناقل)۔لیکن مجھے اطمینان ہونا چاہئے کہ میری حرکات و سکنات درست ہیں۔اسلئے آئندہ ایک تو میں مسجد میں بھی مگر دوسرے دوستوں سے مخفی نماز پڑھ لیا کروں گا۔دوسرے،ارکان نماز کے بارے میں جو کوئی قسم کے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں،وہ آپ سے پوچھ لیا کروں گا''

ڈاکٹر کیوسی صاحب کی اس گفتگو سے خاکسار کے اندر خوشی کی ایک بے پناہ لہر دوڑ گئی۔چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق میں نے یہ راز اپنے تک محدود رکھنے کے وعدہ کے ساتھ ان سے حضرت اقدس امیر المؤمنین پر اس کا انکشاف کرنے کی اجازت لے لی۔اس کے بعد وہ جب بھی مسجد میں تشریف لاتے تو اور قرآن کریم پڑھتے رہے۔سورۃ البقرہ کے پہلے چند رکوع باترجمہ پڑھ لینے کے بعد اب انہوں نے ارادہ کیا کہ قرآن کریم کا کسی ایسی زبان میں ترجمہ شروع کردیں جس میں ابھی تک ترجمہ نہ ہوا ہو۔اس کے لئے انہوں نے یورپ کی ایک مصنوعی زبان اسپرانٹو (Esperanto) کا انتخاب کیا۔ان کا خیال تھا کہ اس طرح پر انہیں قرآن کریم کو اچھی طرح سمجھنے اور اسکے ایک ایک لفظ پر غور کرنے میں مدد ملے گی۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے،اسلام کا خفیہ رکھنے کا اظہار کرنے کے بعد مکرم ڈاکٹر کیوسی صاحب نے باقاعدہ پنجوقتہ نماز شروع کر دی۔دن کی نمازیں وہ دفتر میں پڑھ لیا کرتے اور رات کی یعنی نماز مغرب وعشاء گھر میں سونے سے پہلے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے پڑھ لیتے۔اسی طرح صبح کی نماز گھر یا دفتر جہاں موقع ہوتا،پڑھ لیتے۔اب جب اُس سال ماہ رمضان آیا تو وہ روزے رکھنے لگے۔مگر انہیں ایک اَور فکر لاحق ہوئی۔وہ یہ کہ ہفتہ اور اتوار کو جب وہ گھر میں ہوں گے تو روزے کیسے رکھ سکیں گے کیونکہ گھر میں دن کو بچوں کے ساتھ کھانا نہ کھانے سے ان کا راز افشا ہوتا تھا۔چنانچہ فرمانے لگے،میں کیا کروں۔جہاں تک عام دفتری دنوں کا تعلق ہے،روزہ رکھنے میں مجھے کوئی مشکل نہیں۔موسم کے لحاظ سے صبح کا ناشتہ میں گھر میں اُس وقت کرتا ہوں جب ابھی سحری کا وقت ہوتا ہے(جرمنی میں دسمبر وغیرہ میں سورج 9 بجے طلوع ہوتا ہے اور دفاتر سات آٹھ بجے کھل جاتے ہیں، دوپہر کا کھانا میں دفتر میں کھایا کرتا ہوں جو روزہ ہونے کی صورت نہیں کھاؤں گا۔شام کا کھانا گھر پر کھانے سے پہلے ہی روزہ افطار ہو چکا ہو گا۔مشکل

یہ نظر آ رہی ہے کہ ہفتہ اور اتوار کو جب دفتر بند ہوتا ہے، مجھے دوپہر کا کھانا لازماً اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مل کر کھانا ہوگا۔ اگر نہ کھاؤں گا تو راز کھلتا ہے۔ اب میں کروں تو کیا کروں۔ میں نے کہا کہ میرے خیال میں قرآن کریم میں جو فدیہ دینے کا جواز آیا ہے کہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے، وہ صورت آپ پر بھی منطبق ہو سکتی ہے اور فدیہ نقدی کی صورت میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہو گئے اور اگلے ہی روز رمضان شریف والی چھٹیوں کا حساب کر کے رقم لا کر مجھے دے دی کہ میں ان کی طرف سے کسی غریب کو فدیہ میں دے دوں۔

اس سے قبل جب جولائی ۱۹۶۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ پہلی بار یورپی مشنوں کے دورے پر فرانکفرٹ تشریف لائے تو ڈاکٹر کیوسی صاحب اُس وقت تک قرآن کریم کے بیس پاروں کا ترجمہ کر چکے تھے۔ حضورؒ سے ملاقات کے وقت ان کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ مجسم انکسار بن کر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے دوران بات بات پر ” امیر المؤمنین“ کہہ کر حضور سے مخاطب ہو رہے تھے۔ حضور کو خاکسار کے ذریعے ان کا غائبانہ تعارف پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضورؒ کی شفقت بھری نگاہوں نے بجلی کا سا کام کیا۔ چنانچہ جب ملاقات کر کے باہر نکلے تو آنسوؤں کو بڑی مشکل سے ضبط کر رہے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ انوری صاحب! میں کبھی نہیں رویا لیکن آج میرے آنسو چھلک چھلک کر باہر نکلنا چاہتے ہیں۔

خاکسار کے اُس سال دسمبر میں پاکستان کے لئے واپس ہونے تک ان کا یہ راز سربستہ ہی رہا۔ اور مزید کچھ عرصہ تک وہ پوشیدہ طور پر اسلام پر عمل پیرا رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق وہ خود ہی اس پر سے پردہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ میں اس وقت اپنے تبلیغی مشن پر نائیجیریا میں تھا کہ ان کی یہ خوش کن چھٹی ملی کہ اب وہ اعلانیہ طور پر مسلمان ہو چکے ہیں نیز باقاعدہ طور پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ کہ انہوں نے اپنا اسلامی نام محمد عبدالہادی رکھا ہے۔ نام کے بارے میں بتایا کہ ”محمد“ کا لفظ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ اور عبدالہادی اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے فضل سے میری اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ میرے لئے اس سے زیادہ خوشی اور کیا ہو سکتی تھی۔

اسی اثنا میں قرآن کریم کا اسپرانٹو میں ترجمہ مکمل ہو کر انہی کے زیر اہتمام چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ آپ نے مجھے لکھا کہ انہوں نے پبلشنگ کمپنی کو آرڈر دے کر تین خصوصی نسخے تیار کروائے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بطور تحفہ بھجوا رہے ہیں، دوسرا اس عاجز کے لئے ہے اور تیسرا وہ خود اپنے پاس رکھیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کا یہ ہدیہ مجھے خوبصورت جلد میں لیگوس پہنچ گیا۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے از راہ تلطف اِس عاجز کا نام بھی بغرض دعا درج کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ چنانچہ خاکسار کے ستمبر ۱۹۷۲ء میں دوبارہ بطور مبلغ انچارج جرمنی پہنچنے کے چند ماہ بعد ہی اسلام کا یہ سچا فدائی اور سلسلہ کا بے لوث خادم اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! اِن کی قبر فرانکفورٹ کی ذیلی آبادی (Sachsenhausen) میں ان کے مکان اور مسجد نور کے درمیان واقع ”جنوبی قبرستان Süd Friedhof“ میں موجود ہے۔ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ۱۹۷۶ء میں جرمنی کے دورہ کے وقت از راہ شفقت ڈاکٹر موصوف کی قبر پر تشریف لے جا کر دعا بھی کی تھی۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد ساہی صاحب کے اعزاز میں

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے عشائیہ

مورخہ 15۔اگست 2014 بروز جمعہ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کی طرف سے محترم پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد ساہی صاحب، جو کچھ عرصہ کے لئے کینیڈا سے جرمنی تشریف لائے ہوئے ہیں، بیت السبوح کے کانفرس روم میں ایک سپیشل جنرل میٹنگ اور عشائیہ کا اہتمام کیا جس کا افتتاح امیر صاحب جرمنی جناب عبداللہ واگس ہاؤزر کی صدارت

میں ہوا۔ محترم پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد ساہی صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان میں 1946 میں داخل ہوئے اور کالج کے اولین گریجوایٹس میں سے ہیں۔انہوں نے فزکس میں ایم ایس سی کے بعد بطور لیکچرار گورنمنٹ سروس بعد میں انگلستان سے پی ایچ ڈی کی، کچھ عرصہ موصل اعراق میں اور پھر واپس وطن آکر مختلف کالجز اور یونیورسٹیوں میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کینیڈا تشریف لے گئے جہاں وہ آج کل مقیم ہیں۔

اس اجلاس میں ایسوسی ایشن کی خصوصی دعوت پر محترم مولانا حیدر علی ظفر، مکرم ڈاکٹر محمود احمد طاہر سیکرٹری امور عامہ، مکرم چوہدری افتخار احمد صدر انصاراللہ، مکرم چوہدری داؤد احمد کاہلوں اور مکرم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر بھی شامل ہوئے۔

تقریب کا آغاز تلات قران کریم سے ہوا جو مکرم عبدالحنان ڈوگر نے کی۔ اس کے بعد مکرم پروفیسر حمید احمد صاحب نے مہمان کرام کو خوش آمدید کہا ،ان کا تقریب میں شمولیت کا شکریہ ادا کیا اور مہمان خصوصی کا تعارف کروایا اور قادیان اور لاہور میں کالج کے ابتدائی دور کی تصاویر بڑی سکرین پر دکھائیں جو انہوں نے ایسوسی ایشن کی ویب سائٹ سے نکالی تھیں۔

اس کے بعد محترم نیشنل امیر صاحب نے یہ کہہ کر کہ انہوں نے اسی شام حضور ایدہ اللہ تعالی سے ملاقات کے لئے لندن جانا ہے اور اس سے پہلے تیاری کے لئے گھر جانا ہے اس لئے اس لئے معذرت چاہی اور محترم مولانا حیدر علی ظفر صاحب کو اپنی جگہ کو اجلاس کی صدارت کے لئے کہا۔ پروگرام کے مطابق صاحب صدر کے ارشاد پر مکرم عرفان احمد صاحب نے ایسوسی ایشن کا قیام سے لے کر مکمل تعارف کرایا اور بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی منظوری کے بعد پہلا اجلاس مورخہ 29۔اگست 2005 کو ہوا جس کی صدارت کے لئے حضور اقدس نے محترم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب کو اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا۔انہوں

نے ایسوسی ایشن کی نو سالہ کارکردگی کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا۔

اس کے بعد مولانا حیدر علی ظفر صاحب نے بطور صدر اجلاس محترم پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد ساہی صاحب کو دعوت دی کہ وہ قادیان میں کالج کے ابتدائی دور کے حالات وواقعات بیان کریں۔

محترم پروفیسر صاحب نے بتایا کہ انہوں نے گوجرہ ہائی سکول سے اعلیٰ نمبروں میں میٹرک پاس کیا اور اس کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر ان کے والد محترم صوبیدار عبدالقادر صاحب آف قادر آباد ضلع لائل پور جو 1940 میں بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے تھے کی خواہش تھی کہ اب جماعت کا اپنا کالج قادیان کے پاکیزہ ماحول میں محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد کی سربراہی میں کھل چکا ہے احمدی طلباء کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس لئے میں قادیان جا کر کالج میں داخل ہو گیا۔ وہاں پر واقعی ایک خالص اسلامی فضا تھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ مغرب کی نماز کے بعد باقاعدہ مجلس عرفان ہوتی اور شب وروز صحابہ مسیح موعود کی صحبت میسر آتی تھی۔ کالج میں پروفیسر میاں عطاء الرحمان صاحب، پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر اور پروفیسر حبیب اللہ خاں، پروفیسر صوفی بشارت الرحمان صاحب، پروفیسر چوہدری محمد علی اور پروفیسر عبدالرحمان ناصر جیسے شفیق اساتذہ ہماری تدریس کے لئے زندگیاں وقف کر کے آئے ہوئے تھے۔ بڑا ہی علمی اور دینی ماحول تھا جس میں ہم نے کالج کا زمانہ شروع کیا۔ انہوں کہا کہ اگلے سال یعنی 1947 میں ہندوستان تقسیم ہوا اور میں واپس اپنے آبائی وطن جو اب پاکستان کے حصہ میں آچکا تھا آگیا۔ اور گورنمنٹ کالج لائل پور داخل ہو گیا۔ پھر جلد ہی معلوم ہوا کہ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں دوبارہ جاری ہو گیا ہے تو میں لائل پور چھوڑ کے واپس اپنے کالج میں داخل ہو گیا۔ جب مہمان خصوصی اپنے کالج کے زمانہ کے حالات بیان کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ مکرم چوہدری حمید احمد صاحب اپنے صاحبزادے مبشر احمد کی مدد سے اس زمانہ کی تصاویر بھی دکھاتے رہے۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی سرکاری ملازمت کے حالات بھی بیان کئے جس میں انہوں نے اپنے ساتھ احمدیت کی وجہ سے ہونے والے حکومتی تعصب کے واقعات بھی بیان کئے۔

ان کی تقریر کے بعد حاضرین نے ان سے سوالات پوچھنے شروع کئے اور بعض نے خود اپنے ذاتی واقعات بیان کئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس اجلاس میں کینیڈا سے تشریف لائے ہوئے سابق طلباء مکرم چوہدری عبدالرشید ڈوگر، مکرم چوہدری عبدالحکیم ڈوگر اور مکرم چوہدری عبدالحلیم طیب بھی شریک ہوئے۔

دعا کے بعد، جو محترم مولانا حیدر علی ظفر نے کروائی، یہ دلچسپ محفل ختم ہوئی ۔اس بعد نماز مغرب اور عشاء ادا کی گئیں اور پھر تمام احباب کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا گیا جس کا انتظام مکرم چوہدری خاور افتخار صاحب نیشنل سیکرٹری ضیافت کے تعاون سے کیا گیا تھا۔اس کے لئے ہم مکرم خاور صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم ادا فرمائے

خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے رسالہ ماہنامہ خالد جنوری 1971
میں ڈاکٹر محمد عبدالہادی کی ربوہ میں مصروفیات کا ذکر
جلسہ سالانہ پر غیر ملکی معزّز مہمانوں کے اعزاز میں
دعوتِ استقبالیہ اور عالمگیر زبانوں کا دلچسپ اجلاس

مورخہ 26 دسمبر 1970 شام ساڑھے چار بجے شعبہ تحریک جدید مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی جانب سے جلسہ سالانہ کے بابرکت موقع پر مرکز احمدیت میں تشریف لانے والے غیر ملکی معزّز مہمانوں کے اعزاز میں ایک دعوت استقبالیہ اور عالمگیر زبانوں کے اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔۔دعوتِ استقبالیہ میں یک صد کے لگ بھگ احباب شریک ہوئے۔صدارت مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فرمائی۔

استقبالیہ ایڈریس کے بعد غیر ملکی حضرات کی نمائندگی کرتے ہوئے جرمنی سے تشریف لائے ہوئے ہمارے نو مسلم بھائی مکرم ڈاکٹر عبدالہادی صاحب کیوسی نے مختصر تقریر فرمائی۔واضح رہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے اسپرانٹو زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔اور پہلے یورپین مسلمان ہیں جو قرآن کریم کو حفظ کرنے کی کوشش فرمارہے ہیں۔محترم کیوسی صاحب نے تشہد و سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ مرکز احمدیت ربوہ میں آکر فیض حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے یہاں جس اخلاص ۔محبت اور گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا اور جو روحانی فیوض حاصل ہوئے ان کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔اسپرانٹو زبان میں اپنے ترجمہ قرآن پاک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ صرف خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اہم اور نازک کام انجام پذیر ہوا۔اس اسکے صلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے اتنے بے شمار فیوض و برکات نصیب ہوئے کہ انکا شمار میرے لئے ممکن نہیں۔دورانِ تقریر آپ نے کہا کہ اسپرانٹو زبان بولنے والوں کی تعداد دو کروڑ سے زائد ہے اور ان لوگوں کو اسلام اور احمدیت سے متعارف کرانے کے لئے ہمارے مبلغین کے سامنے کام کرنے کا بہت وسیع میدان ہے۔اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے بتایا کہ وہ اسپرانٹو اور عربی کی حامل ایک گرائمر اور لغت تیار کر رہے ہیں تاکہ اہل عرب (اہل اسلام) اور اسپرانٹو بولنے والی اقوام کے درمیان لسانی روابط پیدا ہوں اور اسلام کی تبلیغ کے لئے راستے کھلیں۔نیز آپ نے کہا کہ ایک دوسری کتاب تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو اسلام سے تعارف۔آنحضرت ﷺ کی حیات طیّبہ اور مجموعہ احادیث پر مشتمل ہوگی۔یہ سب کام اسپرانٹو زبان میں ہوں گے۔آخر میں آپ نے سب بھائیوں سے درخواست کی کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ ان کی مدد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ان ارادوں میں برکت ڈالے اور سب کام بخیر وخوبی انجام پائیں۔

عالمگیر زبانوں کا دلچسپ اجلاس

رات سات بجے مسجد مبارک میں عالمگیر زبانوں کا دلچسپ اجلاس۔صدر مجلس مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔۔۔

مکرم ڈاکٹر عبدالہادی کیوسی صاحب مترجم قرآن بہ زبان اسپرانٹو نے احباب سے اپنے قادیان اور ربوہ کے دورہ کے تاثرات بیان کئے۔اور خدا تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دوروں کے ساتھ بیشمار ناقابل بیان روحانی کیف و سرور کے تجربات اور سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی شفقت و محبت سے وافر حصّہ پانے کی خدا تعالیٰ نے توفیق دی۔مکرم کیوسی صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام۔دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور اسکی سچائی ظاہر کرے گا۔عنقریب اسے ملکِ عظیم دیا جائے گا۔کا جرمنی۔اٹیلین اور اسپرانٹو زبان میں ترجمہ سنایا۔

(ماہنامہ خالد جنوری 1971 صفحہ 44 ۔7۔8)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یورپ کا ایک ناقابل فراموش بزرگ

(حضرت ڈاکٹر محمد عبدالہادی اطالو کیوسی)

آج سے نصف صدی پہلے کی بات ہے جب نور مسجد فرینکفرٹ کی تعمیر کو چند سال ہوئے تھے یہ عمارت اس علاقہ سے گزرنے والوں کے لئے توجہ کا باعث تھی مسجد کے اندر کی صفائی اور رکھ رکھاؤ، باہر باغ میں گلاب کے پھولوں کی کیاریاں، سبز گنبد اور دو مناروں کی وجہ سے ہر راہگیر سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس گھر کا مکین کون ہے۔اس کے نزدیک ارد گرد کوئی عمارت نہ تھی۔لوگوں کے باغات اور پھلدار درختوں میں اس عمارت کا حسن دوبالا ہو جاتا۔شہر کے میئر مسٹر Fay یہاں سے گزرتے ہوئے اکثر اندر آجاتے اور کہتے کہ میں اپنے دوست مسٹر احمد سے ملنے آیا ہوں اور پھر چائے پیتے ہوئے حالات حاضرہ پر گفتگو کے بعد یہ کہہ کر کہ پھر ملیں گے چلے جاتے۔ سکولوں کے بچّے آتے اور اسلامی معلومات سے اپنے علم میں اضافہ کرتے۔ مسجد نور واحد مسجد تھی جہاں شہر کے تمام مسلمان (عرب، ترک، ایرانی، پاکستانی) وقتاً فوقتاً آکر نماز ادا کرتے تھے۔ عیدین پر ترک مسلمان تو اس قدر آتے کہ ان کو کئی کئی دفعہ نماز پڑھانا پڑتی کیونکہ وہ دور دور سے خاص طور پر بسوں کے ذریعے آتے تھے۔ پاکستانی سفارت خانے کے اراکین اور سفیرِ پاکستان بھی اہم مواقع پر مسجد نور تشریف لاتے۔

پی آئی اے کا عملہ عیدین اور اہم مواقع پر مسجد نور میں ہی نماز ادا کرتا۔ ساتھ ہی جنگل کی وجہ سے یہ علاقہ شہریوں کے لئے اچھی سیر گاہ بھی تھا۔ان میں سے گزرتے ہوئے بعض صرف مسجد دیکھنے اندر آجاتے۔ انہی لوگوں میں سے ایک روز ایک باپ بیٹا جو مسجد کے سامنے سے گزر رہے تھے بچّے

نے مسجد کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیسی عمارت ہے۔اس کو اندر جا کر دیکھیں باپ بچے کو اندر لے گئے اور مسجد کے دروازے کی گھنٹی بجائی۔اندر سے مکرم و محترم الحاج محمود احمد چیمہ صاحب باہر تشریف لائے، باپ بیٹے نے مسجد دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔مکرم چیمہ صاحب نے انہیں خوش آمدید کہا اور اندر آنے کی دعوت دی۔اس وقت مکرم چیمہ صاحب جرمن زبان کا ایک فقرہ بھی نہ بول سکتے تھے۔چیمہ صاحب جیسے فرشتہ سیرت انسان کی ہلکی ہلکی صوفیانہ مسکراہٹ بے لوث سادگی اور پھر تواضع، جو انہوں نے اپنے امام مہدی دوراں سے سیکھا تھا۔بہت پر اثر تھا۔

یہ باپ بیٹا بھی اس خلق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔وہی باپ چند دن بعد پھر آیا تو محترم چیمہ صاحب سے مفصّل گفتگو ہوئی اور یہ وعدہ لے کر اٹھے کہ میں قرآنِ کریم پڑھنا چاہتا ہوں۔مسجد نور میں آنے کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے مکرم چیمہ صاحب سے قرآن کریم عربی زبان میں پڑھنا شروع کر دیا۔ان کا قرآن کریم سیکھنے کا شوق دیکھ کر حیرت بھی ہوتی اور خوشی بھی۔خاکسار بھی ان دنوں مسجد میں چیمہ صاحب کے ساتھ رہتا تھا۔مجھے اکثر میٹنگز میں تلاوت کا موقع ملتا۔ان کے قرآن کریم سیکھنے کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ اس تلاوت کو ریکارڈ کر لیتے اور چند روز بعد اسی قرات میں آکر سنا دیتے۔مکرم چیمہ صاحب دو سال یہاں ٹھہر کر مرکز کی ہدایت کے مطابق انڈونیشیا تشریف لے گئے۔توان کو ایک اور قابل استاد مل گئے میری مراد مولانا فضل الٰہی انوری صاحب سے ہے۔اب ان کی عربی زبان اور قرآن کریم کی تعلیم تکمیل کو پہنچ چکی تھی اسی عرصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جرمنی تشریف لائے تو انہوں نے حضور کی چند روزہ صحبت سے خوب فائدہ اٹھایا۔حضورانور کی اس ملاقات سے ہم نے اس شخص میں غیر معمولی تبدیلی کے آثار دیکھے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے قرآنِ کریم کا سپرانتو زبان میں ترجمہ کیا۔جس کے وہ ماہر تھے۔یہ زبان کسی زمانہ میں یورپ کے لیئے بنائی گئی تھی۔عملی طور پر تو یورپ کی زبان نہ بن سکی مگر اس کے ماہرین اور پڑھنے والے موجود ہیں۔اگر مستقبل میں یورپ کے لیئے ایک زبان کی ضرورت محسوس کی گئی تو ناممکن نہیں کہ اسی کو اس مقصد کے لیئے اختیار کیا جائے۔انہون نے بہت جلد یہ ترجمہ مکمل کر کے شائع کروایا اور بہت سے اسلامی ملکوں کے سفیروں کو خود جا کر تحفۃً پیش کیا۔اسی طرح اسلامی ممالک کے سربراہوں کو بھی بھجوایا۔شاہِ ایران کو بھجوایا تو انہوں نے ایران کا طبع شدہ قرآنِ کریم ڈاکٹر صاحب کو تحفتہ بھجوایا۔جو بہت خوبصورت اور قیمتی تھا۔

وہ شخص وہ باپ جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں ایسا لگتا تھا اندر سے مسلمان ہو چکا تھا۔اس کا مسجد میں آنا، قرآن کریم سے اس قدر عشق، خلیفۃ المسیحؒ سے ملاقات اور محبت کا تعلق، اس کا ہمارے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، اس کے لیل و نہار، اس کا پہلے سے زیادہ صوفیانہ اور شریفانہ خلق یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس کے اندر کوئی غیر معمولی بزرگ پوشیدہ ہے۔

پھر انہوں نے ایک دن یہ راز مکرم مسعود احمد جہلمی صاحب کے سامنے بیان کر دیا اور بتایا کہ انہوں نے چھپ چھپ کر نماز پڑھنا تو کافی دیر سے شروع کر دیا تھا۔۔ ۱۹۷۰ میں اسلام احمدیت کو قبول کرنے کا اعلان کیا اور عشقِ محمدّ ﷺ کی بنا پر اپنا نام خود محمدّ عبدالہادی اطالو کیوسی تجویز کیا۔

اپنے پیشے کے اعتبار سے حساب اور مالیات کے ماہر تھے۔اور اٹلی کی انشورنس کمپنی "جنرالی" کے جرمنی کے مینیجنگ ڈائریکٹر تھے۔انہیں بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ڈاکٹر صاحب نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور دین کی خدمت کے لئے خود کو اس طرح وقف کر دیا کہ جو بھی آپ سے ملتا آپ کو دیکھتا آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ڈاکٹر صاحب کو حج کی بھی توفیق ملی اور انہوں نے اس موضوع پر جرمن زبان میں ایک کتاب بھی تحریر کی جس کا اردو ترجمہ مکرم فضل الٰہیٰ انوری صاحب نے میرا حجِّ بیت اللہ کے نام سے کیا۔ڈاکٹر صاحب نے ”

میراجِ بیت اللہ‘‘ میں تفصیل سے اپنے اس سفر کے حالات بیان کیے ہیں۔اس سے ان کی شخصیت کا بہت اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم نے انہیں کس قدر متاثر کیا جو اس کتاب کے حرف حرف سے عیاں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو ربوہ اور قادیان جانے کی توفیق بھی ملی۔ جہاں آپ نے حضرت خلیفہ المسیح الثالثؒ اور اکابرینِ جماعت کے ساتھ بہت سی ملاقاتیں کیں۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کی روشنی مین آپ نے اس موضوع پر بہت کام کیا کہ یورپ میں رائج Health Insurance کا نظام اسلامی تعلیم کے منافی نہیں۔چنانچہ اس کے بعد سے مبلغین کی Health Insurance کروائی جانے لگی۔

ان کے تعارف میں حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ صاحب نے لکھا:

ڈاکٹر محمدّ عبدالہادی اطالو کیوسی رحمت اللہ علیہ تقویٰ اور استقامت کے باعث مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز تھے (پیش لفظ میراجِ بیت اللہ) اور یہی وہ بزرگ ہستی تھی جو میرا آج کا موضوع تھی جو ایک دن مسجد کے سامنے سے گزرتے ہوئے اپنے بیٹے کی خواہش پر مسجد کے اندر تشریف لائے ڈاکٹر صاحب مبلغین سلسلہ سے بے حد متاثر تھے۔ان کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ان کی عزت اور وقار کو اس طرح ملحوظِ خاطر رکھتے جیسے ایک شاگرد اپنے استاد کی عزت کرتا ہے۔

ان کے اس عمل کی ایک مثال یاد آگئ جو مسعوداحمد جہلمی صاحب نے مجھے سنائی۔1972 میں مسعود صاحب کی والدہ جرمنی تشریف لائیں۔ڈاکٹر صاحب ان سے ربوہ میں مل چکے تھے۔اس ملاقات کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میراجِ بیت اللہ' میں بھی کیا ہے۔اس میں انہیں اپنی والدہ اور مسعود صاحب کو اپنا بھائی قرار دیا ہے۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب مسجد تشریف لائے نماز سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے بیٹھ گئے اس مجلس میں مسعود صاحب کی والدہ چند گھر کے عزیز اور مسعود صاحب موجود تھے۔ڈاکٹر صاحب نے مسعوداحمد جہلمی صاحب کو مخاطب کر کے اجازت چاہی کہ میری ترجمانی کرتے ہوئے والدہ صاحبہ سے اس بات کی اجازت لیں کہ میں ان کے ہاتھ چومنا چاہتا ہوں۔ مسعود صاحب نے جب ذرا تعجب سے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا تو ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے کہ مسعود صاحب اس کی وضاحت چاہتے ہیں صرف اس لیئے کہ والدہ صاحبہ کو ترجمہ کر کے اس کی وجہ بھی بتا سکیں۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں پہلے ہی ان کو اپنی والدہ کہہ چکا ہوں اور آپ کو اپنا بھائی۔ میں ان کے ہاتھ اس لئے چومنا چاہتا ہو کہ جس ماں نے مسعود جیسے بیٹے کو جنم دیا اور پھر اس کی تربیت کر کے دین کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا۔دوسرے الفاظ میں ڈاکٹر صاحب ان ہزاروں ما ؤں کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے جنہوں نے اپنے بیٹوں کو دین کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا اور بیٹوں نے بھی مسعود صاحب کی طرح اپنی ماں کے اس جذبہ کی زندگی کے آخری سانس تک قدر کی۔آج خدا کے فضل سے ان ماؤں کی قربانیوں کی وجہ سے ااسلام کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچ رہا ہے حضرت مسیحِ موعودؑ نے فرمایا تھا

جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ صاحب نے ڈاکٹر محمدّ عبدالہادی اطالو صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے Stefen کو میری موجودگی میں مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارا باپ تمہاری وجہ سے مسلمان ہوا تھا۔اس نے کہا مجھے تو اس بات کا علم نہیں۔آپ نے فرمایا آپ نے اپنے والد کی لکھی ہوئی کتاب (Das Haus in Makka) پڑھی ہے۔جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہم مسجد نور کے سامنے سے گزر

رہے تھے تو میرے بیٹے نے مسجد اندر سے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔کیا یہ بات درست ہے۔تو اس نے کہا ہاں یہ بات درست ہے تو حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانؓ صاحبؓ نے فرمایا تو وہ آپ کی وجہ سے مسجد میں گئے تھے اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کے ہو رہے سبحان اللہ کیا ہی پیارا انداز گفتگو اور کیسا پر حکمت تبلیغ کا انداز۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

محمد شریف خالد

ڈاکٹر عبدالہادی کیوسی صاحب کی یاد میں

مورخہ 18۔اکتوبر 2014 کو ہماری اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی ایڈوائزری کمیٹی کے اجلاس میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کی یاد میں المنار کا سپیشل نمبر تیار کیا جارہا ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب جیسے بزرگ ہماری سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن میں شامل ہیں۔ وہ ڈاکٹر کیوسی صاحب کے اولین اساتذہ میں شامل تھے۔ انہوں نے مختصر طور پر ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اوصاف کا، جو تعارف کروایا وہ بھلانے کے قابل نہیں، اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ایک نہایت ہی قیمتی وجود کو یاد کیا جارہا ہے۔

انہوں نے ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کے انکسار کے ذکر میں اور ان کی دیگر صفات کے بارہ میں بتایا کہ باوجود اس کے کہ انہوں نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا تھا مگر وہ حاجی یا الحاج کہلانا پسند نہ کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے اس میں نمائش کا پہلو آجاتا ہے۔ جو حج کی روح کے منافی ہے۔ مولانا انوری صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ وہ اپنی زندگی میں تو یہ لقب پسند نہ کرتے تھے مگر آج جبکہ وہ ہم میں نہیں ہیں ان کی عزت واحترام کے لئے ان کو الحاج کہنا ان کا حق بنتا ہے۔ محترم انوری صاحب نے بتایا کہ جب ڈاکٹر صاحب مرحوم کی قبر کی معیاد ختم ہو چکی تو ایک روز اتفاق سے وہ اور پروفیسر حمید احمد صاحب کسی احمدی دوست کی تدفین کے سلسلہ میں قبرستان گئے ہوئے تھے تو میری نظر اس نوٹس پر پڑی جس کے مطابق قبر گرائی جانے والی تھی۔اس پر پہلے تو میں نے ڈاکٹر صاحب کی بیٹی سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ یعنی بیگم کیوسی (جو اس وقت اپنی زندگی کے آخری ایام کسی اولڈ پیپلز ہوم میں گزار رہی ہیں اور ذہنی طور پر اس قابل نہیں کہ کچھ فیصلہ کر سکیں) نے کہا تھا کہ اب ہمیں قبر کی توسیع کرانے کی ضرورت نہیں۔ جس پر میں نے کہا کہ آپ کو یاد ہے جب ڈاکٹر صاحب کی وفات ہوئی تھی تو آپ کی والدہ نے کہا تھا کہ وہ مسلمان تھے اور ان کی آخری رسومات اسلامی طریق ادا کی جائیں کیونکہ میں نہیں چاہتی ان کی روح کو تکلیف ہو۔ تو آج اگر ان کی قبر منہدم کر دی گئی تو ان کی روح کو تکلیف نہیں ہو گی۔ ان کی بیٹی پر میری بات کا ایسا اثر ہوا کہ آدھ گھنٹے بعد ان کو فون آگیا کہ انہوں نے اپنے بھائی سے، جو آج کل سپین رہتا ہے، بات کی ہے اور انہوں نے بتایا ہے کہ ہماری والدہ نے کہا تھا کہ اگر جماعت احمدیہ والے قبر کی توسیع میں دلچسپی رکھتے ہوں تو ان کو اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ میں نے پہلے تو سوچا حضور اقدس کی خدمت میں خط لکھوں مگر پھر محترم امیر صاحب جرمنی سے رابطہ کیا تو انہوں نے قبر کی توسیع کرانے کی منظوری دے دی۔ اس طرح معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا۔

خاکسار 1971 میں جب جرمنی آیا تو جماعت کے چند افرد یہاں ہوا کرتے تھے اور صرف جمعہ یا اتوار کو دوستوں سے ملاقات کا موقع ملتا تھا۔ اس طرح ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم سے بھی ہفتہ دس دن بعد ملاقات ہو جاتی تھی اور ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ وہ ایک نہایت مخلص۔ ملنسار بزرگ تھے۔ چہرے پر ہر وقت ہلکی سی مسکراہٹ رہتی تھی۔ ہر ایک کے ساتھ نہایت خوش خلقی اور عاجزی سے ملتے۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے، بڑے عہدہ پر فائز تھے مگر بڑی محبت سے ملتے، ذاتی حالات پوچھتے اور ہر طرح کی تسلی دیتے۔ زبان جلد سیکھنے کی تاکید فرماتے۔ میں

توان دنوں نیانیا آیا تھا، جرمن زبان تونہ آتی تھی انگریزی میں باتیں کرتے باوجود اس کے کہ انگریزی پر بھی میرا عبور نہ تھا مگر کبھی گفتگو میں دقت نہ ہوتی تھی۔میرے نامکمل فقرات کو وہ خود انگریزی میں پورا کر دیتے تھے۔جس سے ان کی شفقت اور پیار کا اندازہ ہوتا تھا۔

آج جب کہ ڈاکٹر کیوسی صاحب مرحوم کو ہم سے جدا ہوئے چالیس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے ان کا میرے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا انداز اب بھی میرے ذہن پر قائم ہے اور ان کے انہماک کی تصویر ابھی بھی میرے دل و دماغ میں پیوست ہے۔مولانا فضل الہٰی انوری صاحب سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔اکثر ان سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تواس بہانے ہماری بھی ملاقات ہو جاتی۔آخری دنوں میں وہ کافی بیمار رہنا شروع ہو گئے تھے مگر کبھی ان کے مسکراتے چہرہ پر مایوسی نہیں آئی۔بلکہ ہلکی سی مسکراہٹ سے فرماتے میں بفضلہ تعالیٰ ٹھیک ہوں۔ان کی وفات پر ان کی بیگم صاحبہ نے تجہیز و تکفین کا سارا انتظام محترم مولانا فضل الہٰی انوری صاحب کے سپرد کر دیا۔نماز جنازہ اور تدفین کے دوران وہ اور ان کے بچے ساتھ کھڑے رہے۔اس رسالہ میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر میں نے چاہا کہ اس بزرگ وجود کے ذکر خیر میں میں بھی کچھ حصہ ڈال دوں۔اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس بزرگ وجود کے درجات ہمیشہ بلند فرماتا رہے۔آمین۔

خاکسار عبدالشکور بھٹی آف فرنکفورٹ

ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی

مکرم الحاج ڈاکٹر عبدالہادی کیوسی صاحبؒ کا ذکرِ خیر

(مکرم منیر احمد صاحب باجوہ۔ ہیمبرگ)

حدیث نبوی ﷺ ہے۔کہ **مَا مِن مَولُودٍ اِلّا یُولَدُ عَلیَ الفِطرَۃِفَاَ بَوَہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَو یُنَصِّرَانِہٖ اَو یُمَجِّسَانِہٖ**۔کہ ہر انسان فطرتِ صحیحہ (فطرت اسلام) لے کر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین (اپنی تربیت کے زیرِ اثر) اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

فطرت صحیحہ ایک ایسی زرخیز زمین ہے۔ جس پر اُگنے والی ہر فصل اپنی ذات اور نمو کے لحاظ سے مکمل اور تنومند ہوتی ہے۔اس کا پاسبان اِسے آبیاری کر کے اپنی مرضی و منشاء کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔بیرونی دباؤ کے زیر اثر اگر چپ چاپ وہ اسی سمت میں بڑھتی رہے تو اور بات ہے و گرنہ فطرت کی اصلیت اسے نہاں خانہءدل میں اندر ہی اندر راہ راستی کی طرف نشوونما پانے کی ترغیب دلاتی رہتی ہے۔ بیرونی جھکڑوں کے بے ربط تھپیڑوں کی مار سے اِس کا دامن بچاتے ہوئے اِسکے ضعف کو سنبھالا دیکر بالآخر اسے راہِ راست پر لے ہی آتی ہے۔انہی رازوں کے آشنا نے کیا ہی سچ فرمایا ہے کہ

؎ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار۔

جسکی فطرت بے حس ہو کر مسخ نہ ہو چکی ہو یا مر نہ گئی ہو اس میں تھوڑی سی بھی زندگی کی رمق باقی ہو تو ایک دن وہ ضرور شیریں ثمرات سے مالا مال ہو ہی جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

؎ جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے پھل اسقدر پڑا کہ وہ میووں سے لد گئے۔

مسیح پاک علیہ السلام کے درختِ وجود کی ایک سر سبز شاخ مکرم الحاج ڈاکٹر عبدالہادی کیوسی صاحب، غیر مذہب، غیر زبان، غیر کلچر میں پل بڑھ کر پروان چڑھی۔اس شجرہ طیبہ سے پیوند کاری کے طفیل نہ صرف سر سبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگی بلکہ پھلوں سے لد پھند کر مالا مال ہو گئی۔آپ 13 مئی 1919 کو ٹریسٹ اٹلی کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے۔اس ماحول میں کیتھولک عیسائی مذہب کا زور تھا۔ چھوٹی عمر میں والد کی وفات ہو گئی۔نہایت کسمپرسی کے عالم میں جوں توں کر کے تعلیم حاصل کی۔ریاضی میں پی۔ایچ۔ڈی کر کے اٹلی کی معروف جنرل انشورنس کمپنی میں ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ میونخ تقرری کے بعد فرانکفرٹ تبادلہ ہوا۔بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے ہمراہ فرانکفرٹ میں فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔آپکے بیوی بچے عیسائیت کی تعلیم میں ڈوبے ہوئے آخر تک اسی مسلک پر قائم رہے۔آپ ایک دفعہ بیمار ہوئے کمزوری کی وجہ سے کچھ دن گھر پر ہی آرام کرنا پڑا۔ایک دن روشن صبح کو بیٹے کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے مسجد نور فرانکفورٹ کے پاس سے گزرے نگاہیں مسجد کے میناروں پر پڑیں۔ سرسری نظارہ کرنے کیلئے کشاں کشاں صحن میں داخل ہوئے۔مکرم مولانا محمود احمد چیمہ صاحب مرحوم مبلغ جرمنی بھی اتفاق سے صحن میں موجود تھے۔انہوں نے نہایت متبسّم چہرے سے آپکو خوش آمدید کہا۔رسمی سلام و آداب کے بعد تعارف کروایا اور رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔مولانا موصوف نے خواہش ظاہر کی گیسٹ بک پر اپنا پیغام ،تاثرات وغیرہ تحریر فرمائیں تو مہربانی ہو گی۔آپ نے صرف اتنا لکھا کہ

(آج مورخہ 21.6.1964 کو مسجد دیکھی۔دستخط ڈاکٹر اطالو کیوسی۔پتہ)

آپ کسی کی تبلیغ و ترغیب یا دعوت پر آپ یہاں نہیں آئے تھے بلکہ یہ جگمگاہٹ تھی اس اِرشاد باری تعالیٰ کی جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کیلئے جلوہ گر ہوئی تھی کہ **یَنْصُرُکَ الرِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ** (8-10-1907 تذکرہ۔ صفحہ 621) تجھے وہ لوگ مدد دیں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے

آپ کے مسجد سے روابط بڑھتے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو علمی صلاحیتوں سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ بلا کے ذہین و فہیم تھے۔ فطرت نیک تھی۔ علمی تحقیق و تجسس کا شوق تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے مولانا محمود احمد چیمہ صاحب مرحوم سے یسرنا القرآن کا ابتدائی درس لینا شروع کیا بعدہ مولانا فضل الٰہی انوری صاحب اور مولانا مسعود احمد جہلمی صاحب مرحوم سے یہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت جلد قرآن کریم کے کچھ حصے بھی حفظ کر لئے۔ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو یہ تعلیم دل میں اُترتی چلی گئی اور دل میں خیال گزرا کہ اس تعلیم سے حقیقی شناسائی تب ہو سکتی ہے جب اس کا کسی زبان میں خود ترجمہ کر کے اس کے حرف حرف پر غور کیا جائے۔ اب انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کا کسی ایسی زبان میں ترجمہ کیا جائے جس میں ابھی تک ترجمہ نہ ہوا ہو۔ اور ایسا کام کریں جس میں دوسروں کا بھی فائدہ ہو۔ اس کیلئے انہوں نے اسپرانٹو Esperanto زبان کا انتخاب کیا۔ اور دن رات ایک کر کے آپ نے نہایت معیاری ترجمہ مکمل کر لیا۔ بلاشبہ آپکا یہ ایک عظیم شاہکار ہے جو رہتی دنیا تک آپ کی بلندی ء درجات کیلئے دعاؤں کا موجب بنا رہیگا۔ دنیا کے پریس نے اس ترجمہ کے معیاری ہونے پر بہت خراج تحسین پیش کیا۔

آپ عیسائیت میں رہتے ہوئے بھی طبعاً بے چینی اور بیقراری محسوس کرتے رہے۔ بسا اوقات نظام قدرت پر غور کرتے کرتے آپکی راتوں کی نیندیں اچاٹ ہو جاتیں۔ اور عیسائیت کی تعلیم کو دل قبول نہ کرتا۔ مسجد کے ساتھ باقاعدگی سے رابطہ رکھا۔ احمدی احباب کو خوش فہمی میں یہ گمان ہونے لگتا کہ شائد آپ احمدی ہو چکے ہیں لیکن آپ کے اپنے مذہب پر راسخ العقیدہ ہونے کا یہ عالم تھا کہ جب آپکے علم میں آیا کہ شائد لوگ آپکو احمدی سمجھنے لگ پڑے ہیں تو آپ نے مولانا انوری صاحب کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ " انوری صاحب! میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے بارے میں کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ میں ایک رومن کیتھولک فیملی سے تعلق رکھتا ہوں جو مذہبی اعتبار سے کوئی متبادل صورت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نہ ہی میرے خانگی اور پیشہ ورانہ حالات اس کی اجازت دیتے ہیں بس مجھے اپنا دوست سمجھئے یا خادم مگر اس سے زیادہ نہیں"۔ راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت میں تعصب نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ قرآن کریم کی اعجازی تعلیم نے آہستہ آہستہ دل میں گھر کرنا شروع کر دیا اور اسلام دین فطرت کی حقیقت آپ پر عیاں ہونے لگی۔ دل نماز روزہ کی طرف مائل ہوا لیکن گھریلو ماحول اور گردونواح میں عیسائیت کا زور تھا۔ تاہم بے تابیء دل سے مجبور ہو کر خفیہ طور پر نماز پڑھنے کی مشق کرتے رہے۔ 1967 میں حضرت خلیفتہ المسیح الثالث ؒ پہلی بار یورپ کے دورہ پر فرانکفورٹ تشریف لائے تو آپ نے حضور اقدس ؒ سے ملاقات کی۔ حضور ؒ کی نگاہِ شفقت نے آپکو اپنا گرویدہ بنا لیا آپ دل وجان سے حضور اقدس ؒ پر قربان ہو ہو جا رہے تھے۔ فرطِ محبت سے آنسو تھمتے نہیں تھے بعد میں اظہار کیا کہ میں کبھی نہیں رویا لیکن آج میرے آنسو روکے نہیں رکتے تھے۔ یہ اعجاز اس فرمان کی صداقت کا تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

" خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دیگا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا۔ اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا" (تذکرہ صفحہ 597)

مکرم کیوسی صاحب اپنی دلی کیفیات کا اظہار کچھ اسطرح سے کرتے ہیں کہ۔

" مجھے یاد ہے کہ 23 دسمبر 1967 کو پاکستان جاتے ہوئے مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب نے مجھے بڑے محبت بھرے انداز میں یہ مشورہ دیا تھا کہ میں اس مسئلہ (قبولیت احمدیت) کے بارہ میں قبل از وقت کوئی رائے قائم کئے بغیر اچھی طرح غور کروں تا انجام کار کسی واضح نتیجہ پر پہنچ سکوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آخر مجھے اس مسئلہ عظیمہ کے بارہ میں وہ ضروری انشراحِ صدر اور اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا جس کی مجھے تلاش تھی۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ان تمام تحریرات سے جو میرے مطالعہ میں آئیں مجھ پر حقیقت عیاں ہو گئی۔ حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تحریرات کے غیر مبہم اور منجھے ہوئے الفاظ مجھے انہی قرآنی بیانات کی تصدیق وتوثیق کرتے ہوئے نظر آئے جن پر اب مجھے کافی عبور حاصل ہو چکا تھا۔ اس کلام نے میرے اندر اس یقین کی شمع بھی روشن کی ہے کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے جو اپنے بندوں سے اب بھی اسی طرح ہمکلام ہوتا ہے جیسے پہلے ہوتا تھا اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ خود ایسے شواہد بھی موجود تھے جنکی روشنی میں میرے لئے یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا کہ بانیء سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا کلام محض فلسفیانہ یا معروف قسم کے مفروضوں پر مبنی نہیں بلکہ واقعہ میں خدا تعالیٰ کے چشمہ اصفٰی سے نکلا ہوا قوی الاثر اور شیریں بیان ہے۔

میں نے آخر کار اپنی زندگی کے اس گوہر مقصود کو جو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے پر مبنی ہے پالیا۔ہاں وہی مقصد حقیقی جس کی مجھے اپنی پچاس سالہ زندگی کے دوران مسلسل ضرورت اور تلاش رہی۔میں نے اپنا بیعت فارم اُس وقت کے فرانکفورٹ مسجد کے امام مکرم مسعود احمد جہلمی صاحب کے سامنے رکھا۔یہ ایک اقرار نامہ تھا جو ایک عرصہ سے میرے دل میں قرار پاچکا تھا اب اسے صرف ایک رسمی شکل دینے کی ضرورت باقی تھی۔"

یہ جولائی 1969 کی بات ہے۔وہ سویرا طلوع ہوا اور وہ گھڑی بھی آن پہنچی جب بر ملا اس امر کا اعلان کیا کہ میں اب آغوشِ احمدیت میں آچکا ہوں۔سبحان اللہ، کس شان کا ہے یہ فرمان کہ " ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی" (تذکرہ صفحہ 597)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنا ایک کشف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

" اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں ور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شائد تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا۔سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں بلکہ میری تحریریں اُن لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے" (روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 377 ازالہ اوہام صفحہ 516)

کیوسی صاحب امام آخرالزمان کے اس کشف کے مصداق ٹھہرے۔آپ قادیان سے ہوتے ہوئے خلیفہ وقت کی قدم بوسی کیلئے ربوہ بھی تشریف لے گئے۔جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی موجودگی میں حاضرین سے خطاب کی سعادت حاصل کی۔حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے پیروکاروں سے اس قسم کی توقعات وابستہ کی ہیں کہ ۔

" تم خدا کی آخری جماعت ہو۔سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو" (روحانی خزائن جلد 19 کشتی نوح صفحہ 17)

کیوسی صاحب نے اپنے نیک اعمال کو کمال تک پہنچانے کیلئے 1972 میں عاشقانہ عبادت حج کی بھی توفیق پائی اور اس عشق کے ساتھ اس عبادت کو بجالائے کہ وہاں آپکا لحہ لحہ سجدت لک روحی وجنانی کا منظر پیش کرتا رہا۔ظاہری قربانی کے ساتھ ساتھ اپنی نفسانی خواہشات پر بھی چھری پھیرتے ہوئے اس نیک عمل کو کمال تک پہنچا دیا۔اور اس کی ساری داستان جرمن زبان میں ایک کتاب کی صورت میں شائع کی۔اس دلربا کتاب کا نام Das Haus in Mekka ہے جس کا اردو ترجمہ مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب سابق مبلغ جرمنی نے میرا حج بیت اللہ کے نام سے کیا ہے۔ آپ کے دل کی کیفیت کا اندازہ کریں آپ فرماتے ہیں کہ آج بھی میرے دل میں اپنے عیسائی بھائیوں یا چرچ کے خلاف کسی قسم کی کدورت یا نفرت نہیں۔تبدیلی مذہب کا فیصلہ پورے یقین اور اطمینان کے ساتھ اپنی بھلائی کیلئے کر رہا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔بد قسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔(کشتی نوح صفحہ 81)

مولائے مہربان نے اس مبارک وجود کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے والی مبارک زندگی عطا فرمانے کے بعد مؤرخہ 8 جون 1973ء کو اس پیار سے اپنے پاس بلایا کہ۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿سورة الفجر آيات 28 تا31﴾

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا،راضی رہتے ہوئے اور رضا پاتے ہوئے۔پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

نوٹ۔آپکی کتاب Das Haus in Mekka اردو ترجمہ از مکرم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب جو میری اس حقیر کاوش کے بیشتر حصہ کا سرمایہ مضمون ٹھہرا۔

بسم اللہ الر حمٰن الرحیم

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful
Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

Quarterly Magazine of

T.I. College Old Students Association Germany

English and German Section

ALMANAR

Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi Special Issue

Nov. – December 2014

Director: Prof. Hamid Ahmad Chaudhry

Editors: Frau Munnazza Aqil Khan
Frau Dr. Saadia Raja

Manager: Chaudhry Abdul Ghafoor Dogar

Design: Muhammad Zaheer Ahmad

Printed By: Rana Mohammad Asghar Khan
A.K Print and Layout Service Tel. (49) 06721- 15 40 68

Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi meeting Hazrat Khalifatul Masih III (Rahimhulah)

Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi was an Army Officer, a Professor of Mathematics, a Superb Business Executive, a talented Linguist, a keen Researcher, an enthusiastic theologian and a devout Ahmadi Muslim. (May his soul rest in Peace).

Herr Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi war ein Wehrmachtbeamter, ein Mathematikprofessor, ein hervorragend Unternehmensleiter, ein begabter Sprachwissenschaftler, ein begeisterter Forscher, ein enthusiastischer Theologe und ein hingebungsvoller Ahmadi Muslim (Möge seine Seele in Frieden Ruhen).

Contents

Inhalt

Nr.	Artikel/Article	Page
1	Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi (ra): Frau Munnazza Aqil Khan	1
2	Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi: Maulana Fazal Elahi Anweri – English Translation Frau Mobashra Chaudhry	3
3	Auszüge von Das Haus in Mekka: Mobashar Hamid Chaudhry	7
4	Lobrede für Dr. Italo Chiussi von Generali:- Kopie	13
5	Eulogy of Dr. Italo Chiussi: English Translation Nidda Hina Dogar	19
6	Message from Imam Bashir Ahmad Rafiq	21
7	Moderne Arzneistoffentwicklung: Frau Dr. Saadia Raja	22

Written by Prof. Hamid Ahmad
(Translation: Miss Munnazza Aqil Khan)

Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi (ra)

„Dr. Chiussi Sahib ist ein unvergesslicher Mensch. Er verdient inbrünstige und rührselige Gebete, die aus Herzenstiefe für ihn fortwährend entsprießen.“
Hadhrat Mirza Tahir Ahmad, Hadhrat Khalift-ul-Massih IV (ra)

Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi (ra) war mir auf Grund seiner grenzenlosen Freundlichkeit, Gottesfurcht und Standfestigkeit wichtiger als meine Brüder. Er war ein Engel auf Erden und ein großartiger Mystiker.“
Hadhrat Chaudhry Muhammad Zafrullah Khan (rz)

Nachstehend werde ich von einem solchen Gelehrten berichten, den ich zwar leider nicht persönlich treffen konnte, jedoch habe ich sehr häufig von seiner Treue und seinem Wissensdurst gehört. Wann immer ich zum Friedhof gehe, nutze ich diese Möglichkeit auch an seinem Grab für ihn zu beten.

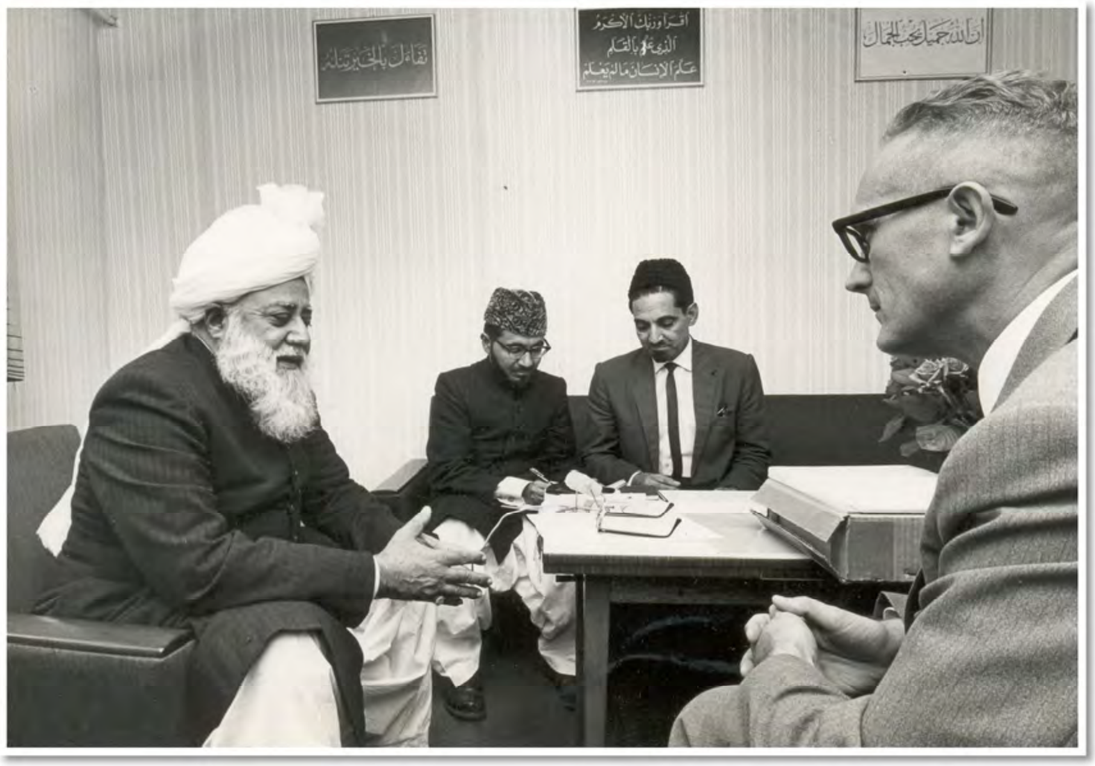

Viele von uns kennen seine Persönlichkeit jedoch nicht gesamtheitlich. Hadhrat Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi (ra) war zwar aus Italien, lebte aus beruflichen Gründen jedoch eine lange Zeit in Deutschland und ist auch hier gestorben. Er war ein belehrter Mensch und hatte in Mathematik promoviert. Einige Zeit war er lehrender Professor in diesem Fach und arbeitete anschließend nach kurzer Zeit für das italienische Versicherungsunternehmen: „Generali Versicherungen“. In Deutschland wurde er zunächst in München eingesetzt, später nach Frankfurt versetzt und war auch für einige weitere europäische Staaten zuständig. Was seinen Beruf anbelangt, war er ein hochrangiger, jedoch

vom Gemüt her ein einfacher und demütiger Mensch. Seine Eltern gehörten einer strenggläubigen katholischen Familie an und seine Frau war ebenfalls streng katholisch. Dr. Sahib gehörte auch ebenjener christlichen Gemeinde an, pflegte später aber zu erzählen, dass er von einigen christlichen Lehren nicht überzeugt war. Seine Konvertierung zum Islam trotz der Einwände seiner Frau und Familie dagegen sind ebenso interessant, wie inspirierend, für unsere Glaubensüberzeugung.

Er lebte in Frankfurt nahe der Nuur-Moschee. 1965 ging er einmal mit seinem kleinen Sohn spazieren. Dabei passierten sie die Moschee, die eine kleine grüne Kuppel und kleine Minarette schmückten, deren Architektur sich also von der umliegenden unterschied. Beim Vorbeigehen fragte der kleine Junge seinen Vater verdächtig, was das für ein seltsames Gebäude sei. Darauf antwortete Dr. Sahib, dass sie reingehen und fragen sollten, was das sei. In der Moschee war an jenem Tag der heute bereits verstorbene Imam Mahmood Ahmad Cheema Sahib, welcher sie empfing und darüber informierte, dass es sich um ein islamisches Gotteshaus handelte, welches man „Moschee“ nenne. Imam Mahmood Ahmad Sahib hat den islamischen Glauben sicherlich noch etwas tiefergehend vorgestellt. Bis dato wusste Dr. Sahib nichts über den Islam. Weil er aber guter Natur, ein hinterfragender Mensch war, äußerte er den Wunsch eine „Bibel des Islams“ haben zu wollen, wenn es eine solche gebe. Darauf schenkte der mittlerweile verstorbene Imam Mahmood Ahmad Cheema ihm den Heiligen Qur-ân mit deutscher Übersetzung.

Als er zu Hause angekommen die Lektüre des Heiligen Qur-âns begann, zwang seine fromme Natur ihn, die Originalsprache zu erlernen, um den Originaltext und somit die Lehre des Heiligen Qur-âns tiefgründig zu verstehen, da die Übersetzung allein hierzu nicht hinreichend sei. Demnach begann er eine erste Unterrichtseinheit bei Cheema Sahib.

Kurz darauf wurde Cheema Sahib wieder nach Pakistan versetzt und in seiner Nachfolge kam der geehrte Bruder Maulana Fazl Illahi Anwari Sahib nach Frankfurt, der bereits in Hamburg tätig war. Dr. Sahib blieb bei seinem Vorhaben Arabisch zu lernen und setzte seinen Unterricht mit Anwari Sahib fort. Als dann der geehrte Bruder Maulana Masood Ahmad Jehlmi Sahib (verstorben) anstelle von Anwari Sahib eingesetzt wurde, setzte Dr. Sahib das Arabischlernen bei ihm fort.

Er war durch die Auseinandersetzung mit dem Heiligen Qur-ân bereits so sehr vom Islam überzeugt, dass er schon begonnen hatte heimlich das „Namaz“ (Ritualgebet) zu verrichten. Er war so gefesselt in der Liebe zum Heiligen Qur-ân und beherrschte die arabische Sprache so hervorragend, dass er sich vorgenommen hatte, den Heiligen Qur-ân in Esperanto zu übersetzen. Esperanto war übrigens auch nicht seine Muttersprache. Diese hatte er auch erlernt und nachdem er die Übersetzung fertiggestellt hatte, präsentierte er sie Hadhrat Khalifat-ul-Massih III. (ra).

Im Jahre 1971 reiste er nach Rabwah und Qadian. Auf Anweisung von Hadhrat Khalifa-tul-Massih III. (ra) hielt er auf der Jalsa Salana Rabwah in Anwesenheit von Huzoor (ra) eine Rede. Danach reiste er zwecks „Umrah“ (Pilgerfahrt außerhalb der Hajj-Zeit) nach Mekka, besichtigte auch Medina und erfüllte sogar die Pflicht der Hajj (Pilgerfahrt) in demselben Jahr. Seine Pilgerreise hat er in Form eines Tagebuches festgehalten und auf Deutsch veröffentlichen lassen. Der Titel dieses Buches lautet „Das Haus in Mekka“. Der geehrte Bruder Maulana Fazl Illahi Anwari Sahib übersetzte dieses Buch auf Urdu und ließ es anschließend publizieren (Brüder, die das Original auf Deutsch nicht ohne weiteres lesen können, sollten diese Übersetzung auf jeden Fall lesen).

Nach der Hajj rief Allah Ta’ala ihn im Jahre 1973 zu sich und er kehrte zu seinem Schöpfer zurück. Wahrlich, Allahs sind wir und zu Ihm kehren wir heim.

Alhaj Dr. Mohammad Abdul Hadi Italo Chiussi

(Maulana Fazal Ilahi Anweri)

Alhaj Dr. Muhammad Abdul Hadi Italo Chiussi, ein gebürtiger Italiener, war ein Doktor der Mathematik. Seine Karriere begann er als Mathematik-Professor, trat aber kurze Zeit später dem großen Versicherungsunternehmen Italiens, Generalli, bei.

Während seiner Dienstzeit als Direktor des Generalli Konzerns Deutschland, mit dem Hauptsitz in Frankfurt, wohnte er unweit der Nur Moschee, die im Jahr 1959 erbaut wurde.

Als Dr. Ch.. eines Tages in Begleitung seines 8 jährigen Sohnes bei einem Spaziergang an der

Moschee vorbeiging, fragte dieser: „was ist das für ein komisches Gebäude, mit der grünen Kuppel und den zwei kleinen Minaretten?“. Da Dr. Ch. seine Frage nicht beantworten konnte, sagte er: „Lass uns reingehen und den Herrn im Hof fragen.“ Der Mann im Hof war Maulana Mahmood Ahmad Cheema, der zu diesem Zeitpunkt Imam der Nur Moschee war. Als Herr Cheema gefragt wurde, was für ein Gebäude dies war, sagte er: „Dies ist eine Gebetstätte des Islams, eine Moschee.“ Daraufhin fragte Dr. Chiussi, ob er eine „Bibel des Islams“ bekommen könne. Herr Cheema überreichte ihm eine Kopie des Heiligen Korans mit deutscher Übersetzung. So kam Dr Ch das erste Mal in Berührung mit dem Islam.

Beim ersten Lesen des Heiligen Korans, wurde in ihm der Wunsch erweckt, dessen Herkunftssprache zu lernen. Mithilfe des Imams, Herrn Mahmood Ahmad Cheema, begann er die arabische Sprache zu lernen. Bald danach wurde Imam Cheema jedoch nach Pakistan

versetzt und ich (Fazal Ilahi Anweri) wurde als sein Nachfolger auserwählt. Ich übernahm als Imam die Leitung der Noor Moschee, sowie die Unterstützung von Herrn Dr. Chiussis bezüglich des Erwerbs der arabischen Sprachkenntnisse.

Mittels des „*Yassarnal-Qurans*“ (das Lehrbuch zum Lesen-Lernen des Korans) lernte er zunächst den Koran richtig zu lesen. Anschließend begann er den Heiligen Koran in Arabisch zu lesen.

Sein Interesse an dem Koran war so groß geworden, dass er jeden Abschnitt, den er gelernt hatte, mit seinem Kassettenrekorder aufnahm. Als er für den nächsten Unterricht zur Moschee kam, hatte er diesen Abschnitt auswendig gelernt.

Trotz seinem großen Interesse und unermüdlichen Engagement beim Lernen des Korans, war es uns und auch ihm, zu diesem Zeitpunkt noch nicht bewusst, dass er sich dem Islam schon sehr angenähert hatte, denn er fühlte sich dem Katholismus noch immer sehr stark verbunden. Als er einmal unsere Zuversicht spürte, dass er zum Islam konvertieren würde, sagte er zu mir: „Anweri Sahib, ich möchte nicht, dass Sie Missverständnisse hegen oder einem falschen Optimismus verfallen. Ich stamme aus einer römisch-katholischen Familie, die keine alternativen Meinungen akzeptiert. Weder meine familiären noch meine beruflichen Umstände erlauben mir, meinen Glauben zu wechseln. Sehen Sie mich nur als einen wohlwollenden Freund, nicht mehr.“ Trotz dieser Aussage, ließ sein Interesse am Koran nicht nach. Er kam, wie gewohnt, regelmäßig in die Moschee und lernte den Koran. Nachdem er ein paar „Ruku“ von der „*Surah-Al-Baqarah*“ gelesen hatte, beschloss er den Koran in eine Sprache zu übersetzen, in die er bisher nicht übersetzt worden war. Er wählte hierfür die neu entwickelte Sprache Esperanto. Sein Bestreben, den Koran tiefgründiger zu verstehen, motivierte ihn sich die Übersetzung vorzunehmen. Bei dieser Beschäftigung setzte er sich mit jedem Wort und Vers auseinander und reflektierte diese.

Der Koran ist ein Buch, welches seine Leser spirituell nicht unbeeindruckt lässt, wenn man ihn in jeder Hinsicht ohne Vorurteile liest.

Dr. Ch. war dem Koran gegenüber unvoreingenommen. Während der Übersetzung der wunderbaren Schriften nahm seine Zuneigung und Faszination zu. In dieser Zeit nahm er sich ein paar Wochen Urlaub und zog sich, fern der weltlichen Angelegenheiten, in einem ruhigen Hotel, 50km von Frankfurt entfernt, zurück und widmete sich Tag und Nacht dem Übersetzen des Korans.

In dieser Zeit entwickelte sich seine Anschauung über den Islam zur endgültigen und vollkommen Überzeugung bzw. Bindung. Dies hat er auch in seinem Buch „Das Haus in Mekka“ erwähnt.

Als der dritte Khalifa 1967 seine Europa-Tour machte, hatte Dr. Chiussi bereits 20 Kapitel des Korans übersetzt.

Er traf den dritten Khalifa demütig und aufrichtig entgegen. Seine Aufregung war nennens-/sehenswert. Er sprach den Khalifen mit „*Amir-Ul-Momineen*“ an. Nach dem Treffen konnte er seine Tränen kaum unterdrücken. Später erzählte er mir, dass er noch nie geweint hätte. Doch an jenem Tag konnte er seine Gefühle und Tränen nicht kontrollieren.

Lange konnte er die Turbulenzen in seinem Herzen nicht mehr verstecken. Eines Tages kam er zu mir und sagte „Anweri Sahib, ich verrate Ihnen ein Geheimnis, das unter uns bleiben soll. Ich habe mit ganzem Herzen akzeptiert, dass der Islam die wahre Religion ist, die mir Seelenfrieden und innere Zufriedenheit geben kann. لا اله الله محمد الر سول الله(*La Illaha Illalah, Muhammad an Rasool Allah*). Ich möchte mein Leben als praktizierender Muslim führen. Ich verrichte schon lange das Gebet, (eigentlich schon seit Beginn der Übersetzung des Korans) und nun möchte ich sicher sein, dass mein Gebetsablauf richtig ist. Ich werde jetzt die Gebete in der Moschee verrichten, allerdings von den anderen abgeschieden, da ich mein Bekenntnis nicht verkünden möchte. Über die Gebetsregeln habe ich manchmal Fragen, die ich an Sie stellen werde.“ Dieses Geständnis löste in mir eine große Freude aus. Ich versprach ihm, sein Geheimnis zu hüten, aber bat ihn um die Erlaubnis, dieses Geheimnis mit dem Khalifen zu teilen. Er betete danach öfters hinter geschlossenen Türen in der Moschee.

Wie er seine Alkohol Gewohnheit aufgegeben hat, ist interessant und inspirierend. Irgendwann in Dez. 1969 kam er wie gewohnt um den Koran zu lernen. Während des Unterrichts sagte er zu mir: „Anwari Sahib, der Verbot des Alkoholgenusses im Islam, basiert auf Weisheit. Die Nachteile vom Alkoholgenuss überwiegen tatsächlich die Vorteile. Deswegen möchte ich es aufgeben (bis dahin hatte er sein Interesse im Islam bekannt gegeben).

Er sagte weiter, dass er in diesem Zusammenhang meine Hilfe brauche. Ich hörte mir mit großem Interesse seinen Vortrag an. Noch dazu sagte er: „Eigentlich wird in meinem Haushalt wenig Alkohol getrunken, trotzdem habe ich mir vorgenommen ab dem 1. Januar 1967 keinen Alkohol mehr zu trinken. Da in der europäischen Gesellschaft viel Alkohol getrunken wird, und ich selbst in meinem beruflichen Leben in vielen Betriebsfesten teilnehmen muss, in welchen von Anfang bis Ende Alkohol serviert wird, kann es sein, dass ich in dieser Umgebung Schwäche zeige. Deswegen bitte ich Sie mich ab und zu, zu fragen, ob ich mich an meinen Vorsatz halte. Um mich vor dieser Peinlichkeit zu bewahren, werde ich mich hoffentlich vom Alkohol fernhalten. Sollte ich Schwäche zeigen und diese Ihnen gegenüber gestehen muss, würde es einem Eidbruch gleichsein. Sollte ich den Fehler machen zu trinken und diesen ihnen gegenüber verleugnen, würde dies einer Lüge gleichsein, was noch schlimmer wäre.“ Sein Denken war für mich bewundernswert. Hin und wieder erkundigte ich mich nach seinem Vorsatz, worauf er mit einem Lächeln erwiderte: „Alles in Ordnung!“ Einige Monate später sagte er zu mir: „Ich dachte es würde schwer sein Alkohol aufzugeben, jedoch war es sehr einfach.“

Nach einiger Zeit besuchte er seine Heimat Italien. Nach seiner Rückkehr fragte ich ihn erneut, ob er seinem Vorsatz treu geblieben war. Er antwortete: „Es kam einmal zu einer

verlockend heiklen Situation. Nur die Sorge Ihnen meine Entgleisung beichten zu müssen, gab mir die Fähigkeit diese Schwierigkeit zu überwinden. Ich wurde von einer, mit mir sehr eng befreundeten Familie, eingeladen, die mir nach dem Essen Wein mit der Anmerkung anbot, sie hätten diesen eigens für mich besorgt. Ich lehnte dezent ab, doch die Hausherrin versuchte mich zu einem Schluck zu überreden. Ich blieb standfest und sie gab schließlich auf.“

Er hatte schon angefangen alle fünf Gebete regelmäßig zu verrichten, tagsüber hinter verschlossenen Türen im Büro, „Maghrib“ und „Ischa“ heimlich vor dem Schlafen. An freien Tagen betete er von den Anderen abgeschieden in der Moschee.

Bald stand der Monat Ramadan vor der Tür und somit auch seine nächsten Sorgen. Er grübelte darüber nach, wie er fasten könnte, ohne dass es jemand mitbekam. An Werktagen hatte er keine Schwierigkeiten, da sich die Frühstückszeit mit der „Sehri-Zeit“ deckte. In diesem Jahr fiel der Ramadan auf den Dezember und der Sonnenaufgang war in Deutschland gegen 9 Uhr. Das Abendessen konnte er auch wie gewohnt mit der Familie einnehmen. Da er es pflegte an Wochenenden mit seiner Familie gemeinsam zu Mittag zu essen, war es für ihn unmöglich heimlich zu fasten. Er bat mich um einen Rat, welches dieses Dilemma regeln könnte.

Für den Fall, dass man aus irgendeinem Grund nicht fasten kann, nennt der Koran eine Lösung: man kann die Speisung *(Fidya)* eines Armen für ebenso viele Tage übernehmen. Er war erleichtert, als man ihn darüber aufklärte und gab mir prompt am nächsten Tag das Fidya für die errechneten fastenfreien Tage. Er bat mich das Geld für ihn als Fidya anzurechnen.

Dies blieb bis zu meiner Rückkehr nach Pakistan, im Dezember dieses Jahr und noch einige Zeit weiter, ein Geheimnis, bis er selbst vom Inneren gezwungen war, dieses Geheimnis zu enthüllen. Ich war in Nigeria als ich seinen Brief erhalten habe, dass er zum Islam konvertiert ist und den Treueid (*Bait*) an die Ahmadiyya Mulsim Jammat geleistet hat. Er teilte mir weiter mit, dass sein islamischer Name Muhammad Abdul Hadi sein wird. Er war sehr froh und aufgeregt darüber, dass er den Namen Muhammad erhalten hat, weil er eine große Liebe für den Propheten Muhammad hatte.

Die Übersetzung des Korans war nun vollbracht und er selbst hatte seine Herausgabe organisiert. Er bestellte drei besondere Bänder, einen für Hazrat Khalifatul Masih III, einen für sich selbst und einen für mich. Kurz danach erhielt ich eine schöne Kopie. Einige Tage danach, habe ich dieses schöne Buch in Largos erhalten. Ich bin zu tiefst bedauert, dass die loyalen und treuen Diener des Islams und der Ahmadiyyat kurz nach meiner Rückkehr nach Deutschland in 1972 starben. *Inna lilahe wa inna ilahe rajeun*. Er wurde im Friedhof in Sachsenhausen beerdigt. Als Hazrat Khalifatul Masih III im Jahre 1976 nach Frankfurt kam, besuchte er das Grab von Dr. Chiussi und betete für ihn.

Das Haus in Mekka

Auszüge aus dem Buch : Das Haus in Mekka

von Dr. Abdul Hadi Italo Chiussi

Erster Kontakt mit dem Islam

Am 21. Juni ging ich mit meinem kleinen Sohn in Richtung Frankfurter Stadtwald spazieren, und wir kamen an einem kleinen Gebäude vorbei, das ich oft ohne besondere Aufmerksamkeit im Vorbeifahren auf der Babenhäuser Landstraße bemerkt hatte: die Moschee der Ahmadiyya Mission des Islam, ein kleiner, im Jahr 1959 errichteter Bau mit zwei dünnen rein ornamentalisch wirkenden Minaretten. Es war ein schöner sonniger Tag, und im Hof vor dem Haus, nach der Straße zu, stand der Imam, Herr Mahmoud Ahmad Cheema, ein Pakistaner, der sich uns mit einem einladenden Lächeln vorstellte. Ich unterhielt mich einige Minuten lang mit ihm in englischer Sprache -Deutsch beherrschte er kaum-, und ich trug noch auf seine Bitte hin, bevor ich meinen Spaziergang fortsetzte, meinen Namen und meine Adresse in sein <Gästebuch> ein, mit einer kurzen Bemerkung, daß er mir zu einem Vortrag, der in Kürze stattfinden sollte, eine Einladung schicken könne.

Bei dieser Gelegenheit traf ich sonst niemanden in der Moschee – Herrn Cheemas Familie, Frau und vier Töchter, war in Pakistan, er lebte hier allein. Später erfuhr ich, daß ich den Nachfolger von Herrn Cheema, dessen Zeit nach drei Jahren Missionstätigkeit in Deutschland voll war, und der nach Pakistan zurückkehrte, nur um einige Minuten verfehlt hatte. Herr FazalIlahiAnweri, auf der Durchreise nach seinem vorläufigen Sitz in Hamburg vor dem eigentlichen Einsatz in Frankfurt, hatte – unmittelbar vor meinen Eintrag – auch einige Sätze ins Gästebuch geschrieben. Diese beiden Eintragungen sehe ich mir auch jetzt noch von Zeit zu Zeit an. Der Schluß seines Eintrags lautet:

„*...as I open thisbook*(es war tatsächlich ein ganz neues Gästebuch, weil offensichtlich das alte vollgeschrieben war) *I wishandprayGod I couldenjoytheprivilegeofbeing an openerof a newEra in theHistoryoftheAhmadiyya Movement in Germany. Ameen. F. IlahiAnweri 21/6/64"*

"wie ich dieses Buch eröffne, wünsche ich, und ich bitte Gott, daß ich das Privileg genießen möchte, der Eröffner einer neuen Ära in der Geschichte der Ahmadiyya Bewegung in Deutschland zu sein"

Übersetzung des Qur-ans

Nach langer Überlegung fand ich, daß es der beste Weg gewesen wäre, den Text neu zu übersetzen, wobei dann jeder einzelne Satz und jedes einzelne Wort durchdacht werden mußten. Da allerdings in allen Sprachen, die ich sonst beherrschte, bereits Übersetzungen

existierten und ich den Wunsch hatte, nach Möglichkeit auch etwas für die Mitmenschen Nützliches zu machen, faßte ich den Entschluß, als Sprache der Übersetzung die Internationale Sprache Esperanto zu benutzen. Dabei reizte mich besonders der Gedanke, die Botschaft des Friedens (Islam bedeutet auch Frieden) in die <Sprache> des Friedens zu übertragen.

Zum Start des Unternehmens zog ich mich für drei Wochen unmittelbar nach Neujahr 1967 in eine kleine Pension in Bad König im Odenwald, das Hotel Büchner, zurück, und ich nahm mit der Hilfe von Wörterbüchern, von einigen Übersetzungen des Qur-ans und Kommentaren in Italienisch, Deutsch und Englisch und dem arabischen Originaltext meine Arbeit in Angriff.

Was sich dabei ereignete, kann ich heute nicht mehr in den einzelnen Phasen genau beschreiben, auf jeden Fall weiß ich noch, daß mich meine Arbeit, daß mich das Buch so packte, von mir derart Besitz ergriff, daß ich für meine Umgebung kaum mehr einen Blick oder einen Gedanken übrig hatte.

Während dieser Wochen fing ich an, als ehrfurchtsvoll gemeintes <Experiment>, das islamische Gebet zu praktizieren, weil ich darin das für mich rätselhafte Entstehen dieser Emotionen, die in der Arbeit um den Qur-an ihren Ursprung hatten, erforschen und lösen wollte.

Im Februar mußte ich am Blinddarm operiert werden und ich kann mich erinnern, daß, sobald mein durch die Operation etwas behinderter Körper dies erlaubte, ich noch im Krankenhaus, teils liegend, später sitzend, die Übersetzungsarbeit mit äußerster Spannung und Konzentration fortsetzte. Ende August 1967 war die Übersetzung fertiggetippt und ich hatte in meinem Herzen den Islam als die Religion erkannt, die es mir ermöglichen würde, mit mir selbst und mit meiner Umwelt in Frieden zu leben.

Besuch in Qadain

Während dieser Fahrt - etwa 8 Stunden für 115 Meilen – hatte sich bei mir verständlicherweise im Laufe des Tages eine allmählich fast untragbar gewordene Spannung, ein Stau an Emotionen gebildet, so daß ich fast erwartete, der Funke der Begegnung mit den Leuten und mit den Steinen von Qadian würde einen Ausbruch, eine Explosion irgendwelcher Art auslösen. Unmittelbar nach meiner Ankunft wurde mir aber, nach der erforderlichen Waschung, das Privileg zuteil, das ***Bait-ul-Du´a***(die Stube des Gebetes) zu betreten und dann erlebte ich was ganz anderes, Eigenartiges, Unerwartetes :

In diesem winzigen Zimmer, in welchem Mirza Ghulam Ahmad, der Gründer der Ahmadiyya Bewegung, so viele Stunden und Tage und Monate seines Lebens in Gebet, Meditation und inniger Anbetung des Allmächtigen, Alleinigen Gottes, verbracht hatte, löste sich in meinem Geist urplötzlich, schmerzlos und geräuschlos die Spannung, der Stau verschwand augenblicklich und in mir war auf einmal Ruhe, Gelassenheit und ein unbeschreibliches

Glück. Keine Explosion, keine Gewalterscheinung, kein Brechen und Bersten, sondern Stille und liebevoller Friede.

Ich weiss nicht, wie lange ich in jener Kammer verharrte, weil mich wahrscheinlich für lange Zeit niemand rief oder drängte und ich vorläufig jedes Gefühl für die Zeit und die materielle Umwelt gänzlich verloren hatte. In den folgenden Stunden und Tagen konnte ich aber verstehen daß diese Zeit, die ich dort verbringen durfte, ein kostbares Geschenk der gesamten Gemeinde für mich, den von einem fernen Land Zugereisten, gewesen war, ein Akt der Liebe und der Zuneigung; dieser Raum ist nämlich sonst bei jeder Tages- und Nachtzeit fast immer von zwei oder sogar von drei Betenden belegt, die in ununterbrochener Folge dort Trost und Erquickung im Gebet suchen und finden.

Bahischti Maqbra Qadian

Während meines Aufenthaltes in Qadian war für mich immer wieder der Friedhof ein unwiderstehlicher Anziehungspunkt, in welchem der Verheißene Messias und viele seiner ersten Anhänger begraben sind, und ich habe manche Stunde dort verbracht.

Am 22. Dezember am Frühnachmittag besuchte ich noch einmal jene Stätte der Stille, weil ich wußte, daß ich am nächsten Tag wieder abfahren mußte. Dort erlebte ich ein zweites Ereignis, das mich tief erschütterte.

Nachdem ich vor den Gräbern des Gründers der Bewegung und der ersten Märtyrer gebetet hatte, wollte ich auch den Eltern von Sir Muhammad Zafrullah Khan, die dort in der Nähe ruhen, einen letzten Gruß ihres Sohnes bringen und mich von ihnen verabschieden. Als ich, mit beiden Händen die Augen bedeckt, wenige Minuten vor dem Grab der Mutter von Sir Muhammad gestanden hatte, spürte ich plötzlich eine heftige, leidenschaftliche Gemütsregung einer mir bisher unbekannt gewesenen Art und aus meinen Augen quollen unaufhaltsam die Tränen.

In jenem Augenblick sah ich durch meine geschlossenen Lider – nennen Sie es Traum, nennen Sie es Einbildung oder Vision, nennen Sie es wie Sie wollen, für mich war es aber genauso Wirklichkeit wie das Papier, auf welchem nun meine Feder läuft – und durch meine Finger auf dem staubigen Grund vor dem Grab einen Fleck, wie eine Nässe, die aus dem Boden kam, die Erde schien in einem Kreis in Tellergröße zu versinken und Wasser, zunächst trübes, nach wenigen Sekunden aber klares, reines, süßes, kühles Wasser strömte aus diesem Loch, aus dieser wundersamen Quelle, pulsierend, wie im Rhythmus eines menschlichen Herzens.

Ich kann nicht beschreiben, was ich in jenem Augenblick empfand. Mein ganzes Wesen war aufgewühlt, erschüttert und glücklich zugleich. Meine Tränen konnten nicht zurückgehalten werden und ich wußte dann – ich wußte es mit Gewissheit - daß an diesem Ort eine unmessbare Kraft, eine Energiequelle unauslöschlich strahlt, nicht eine Energie der Zerstörung oder der Gewalt, sondern die Urkraft der Liebe, die Energie des Lebens selbst, wie sie ein Mutterherz schenken kann, wie sie Gott Selbst den Menschen geschenkt hat.

Ich wußte nun plötzlich auch in aller Klarheit, woher die Kraft kommt, die überall in der Welt die Menschen prägt, die sich zum Islam in der Lehre von Ahmadiyya bekennen, die Menschen, die den Islam nicht nur als gesellschaftlichen Begriff, sondern als Existenzgrundlage kennen, als Gebot und Mission, Seine Nähe zu suchen.

Fragen Sie mich nicht, welche Erklärung ich für diese Ereignisse gefunden habe. Warum war es gerade an diesem Grab, daß ich eine Quelle gefunden habe, die auch heute noch und jedesmal, wenn ich daran denke, mir Trost und Glück spendet, so daß meine Augen feucht werden. Ich weiß es selber nicht, und ich werde es vielleicht nie wissen, nie in meinem irdischen Leben.

Treffen mit der Familie von Masud Ahmad Jehlmi in Rabwah

Eines Abends kam die Familie des Missionars von Frankfurt, Masud Ahmad Jehlmi zu mir in das Gasthaus. Sie wussten alle, wie lieb dieser Mensch meinem Herzen ist, und sie wollten von mir hören, wie es ihm ging.

Ich sprach in Englisch mit seinem Bruder Daud Ahmad, der einige Worte für die anderen Anwesenden übersetzte. Im Kreis der Angehörigen war eine ältere verschleierte Frau, die alles hörte und kein Wort sprach.

Plötzlich ließ diese Frau den Schleier fallen, ich sah ihr liebliches, rundliches Gesicht, und wir verstummten alle. Die Frau und ich schauten uns an: sie konnte kein Englisch, ich kein

Punjabi und kein Urdu, aber wir brauchten in diesem keine Worte. Die Mutter meines Bruders Masud schaute mich still an und die Tränen liefen ihr aus den Augen. Und sie lächelte glücklich, wie nur eine Mutter, die ihren geliebten Sohn nach einer langen Trennung wiedersieht, lächeln kann. Und ich lächelte sie an und in meine Augen schossen die Tränen, weil dort vor mir wieder eine wahre Mutter stand, wie ich sie vor vielen Jahren verloren hatte.

Und wir lächeln beide, ohne ein Wort, ohne eine Bewegung, und wir spürten das mächtige Band der Liebe der Mutter und des Sohnes, das kein Wort beschreiben kann.

Das ist Rabwah in meine Erinnerungen, und das ist Rabwah in seinem Wesen. Eine Stadt, in welcher die Geschäftigkeit, die Organisation, die Werke des Alltags, von einer solchen Kraft des Glaubens und der Übersetzung beseelt werden, dass sie alle einen besonderen Wert erhalten, den Wert der Missionsarbeit in ihrer reinsten Form, des Werks der Liebe, immer nach einem einzigen Ziel gerichtet: Gott und den Menschen in freudiger Ergebenheit zu dienen.

Wer Mirza Nasir Ahmad kennt und wie ich, das Glück gehabt hat, mit ihm zu sprechen, weiß, dass dieser Mann, der sein ganzes Leben dem Wohl der Gemeinde gewidmet hat und seine ganzen Bestrebungen darauf richtet, ein Diener Gottes zu sein, mit seiner Persönlichkeit das Leben der *Verwaltung* in Rabwah prägt. Gesundheit und das Leben selbst sind für ihn lediglich Mittel, um die Botschaft im Sinn der ihm anvertrauten Mission weiter zu tragen.

Schluss

Ich lese nun einige Sätze aus meinem Hadsch-Führer, die ich auch für meine Brüder übersetzen will, die sie als Abschluss meines Berichtes vielleicht gern lesen werden. Sie enthalten, in wenigen schlichten Worten, aber unmissverständlich, die vollständige Philosophie der Hadsch:

„Gehe nun zurück – von Mina – am 12. Oder 13. Zil-Hidscha, am Nachmittag. Nach einem Hadith-Spruch des Heiligen Propheten Muhammad – kommt jeder, der die Hadsch nur für Allah vollzogen und keine unerlaubten Handlungen während dieser Zeit begannen hat, von der Hadsch so unschuldig und frei von Sünden zurück, wie er es war, im Augenblick, in dem er von seiner Mutter geboren wurde. Alle deine Sünden sind dir also vergeben, und du bist so unschuldig wie ein neugeborenes Kind. Du kommst in einen ganz neuen Abschnitt deines Lebens hinein. Du solltest die Barmherzigkeit Allahs nicht mehr vergessen. Der dich aus vielen Millionen Muslime auserwählt und dir die Auszeichnung verliehen hat, Sein Heiliges Haus zu besuchen, die Wiege der Propheten. Du solltest die Versprechung nicht vergessen, die du auf der Ebene von Arafat gemacht hast, ein rechtschaffenes Leben von nun aus zu führen. Jetzt bist du dir deiner Verantwortung voll bewusst, und, wenn du wieder – Allah möge es nicht erlauben – Sünden begehen solltest, dann werden diese nicht nur dich allein erniedrigen, sondern auf die ganze Menschheit zurückfallen.“

Ich habe schon einmal erwähnt, dass mir die Hadsch, in allen ihren einfachen eindrucksvollen Riten, fast wie ein langes, tagelanges Gebet vorgekommen war, das wegen seiner Beschaffenheit in viel tieferer Form die gleiche Funktion des alltäglichen Gebets erfüllt: die materiellen Vorrausetzungen zu schaffen, die dem Menschen eine geistige Einstellung ermöglichen, in der seine Anbetung und sein Dank zu seinem Schöpfer den höchsten Grad der Intensität erreichen. Einmal hörte ich Sir Muhammad Zafrullah Khan in London, als er die besondere Bedeutung der einzelnen Teile des rituellen Gebets erläuterte. Am Ende sagte er: „ Der Gruß السلام عليكم و رحمة الله*(Assalamo-AlaikumwaRahmatu-Llah– mit euch seien der Friede und die Gnade Gottes)* bedeutet einfach folgendes: Meine Brüder, die ihr zusammen mit mir gebetet habt, bis jetzt war ich auch in einer anderen Welt, allein mit meinem Schöpfer ich kehre jetzt nach dieser beglückenden Begegnung zu euch zurück und ich grüße euch wie gewohnt, mit dem islamischen Gruß, den uns der Heilige Prophet Gottes, Muhammad gelehrt hat.“

Ich fühle mich nach dieser Hadsch in der gleichen glücklichen Stimmung wie nach einem solchen Gebet. Ich komme eben von einer Begegnung mit dem Allmächtigen Gott in diesem langen, einzigartig wirksamen Gebet der Hadsch. Ich finde also kein besonderes Wort, als dir, der du diese Seiten gelesen hast, zu sagen.السلام عليكم و رحمة الله *„Assalamo-AlaikumwaRahmatu-Llah“ – „Der Friede und die Gnade Gottes seien mit dir“.* Möge dir auch der Allmächtige die Gnade und das Glück schenken, selber diese Erfahrung zu machen oder, wenn du sie schon gemacht haben solltest, bald glücklich zu wiederholen, bis dein Herz von der Gnade Gottes erfüllt ist und deine Seele ihren Frieden in Ihm findet.-Amen-

Jede Lobpreisung gehört Allah, dem Herrn der Welten.

Traueranzeige der Generali Versicherungen

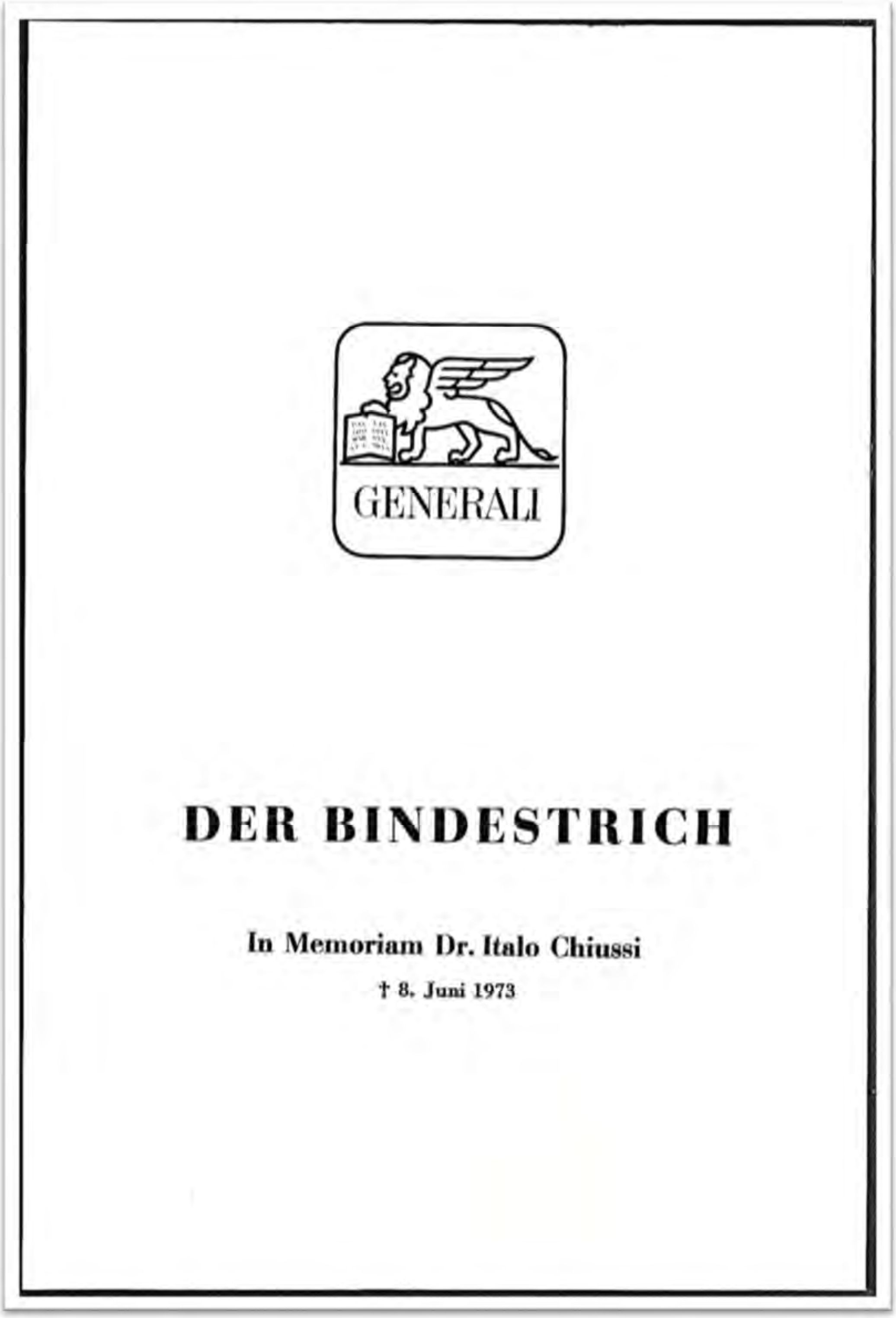
GENERALI

DER BINDESTRICH

In Memoriam Dr. Italo Chiussi

† 8. Juni 1973

In Memoriam
Dr. Italo Chiussi

* 13. Mai 1919 † 8. Juni 1973

Am 8. Juni 1973, 23,5o Uhr, schloss Dr. Italo Chiussi, Leitender Direktor der GENERALI, Direktion für Deutschland, für immer seine Augen.

Nach einem langen, mit Geduld und grosser Tapferkeit ertragenen Leiden endete das Leben des Mannes, der das Lebensgeschäft unserer Direktion für Deutschland in über 15-jähriger harter Arbeit und rastlosem Einsatz seiner Person nach den Verlusten des 2. Weltkrieges neu aufgebaut hat.

Sein brillantes Fachwissen, sein vorausschauendes Denken und Handeln sowie sein hervorragendes Einfühlungsvermögen gegenüber Mitarbeitern und Geschäftspartnern werden uns sehr fehlen. Er hinterlässt in unserem Haus eine Lücke, die wir kaum werden schliessen können.

April 197o

Herr Präsident Merzagora, Herr Hauptbevollm. C.F. Schmidt, Herr Zentraldirektor Dr. Rossi und Herr Dr. Chiussi

GENERALI - Meeting Herbst 1972 - Wien

Trotz seiner intensiven Studien und Wahrung vielfältiger Interessen fand er stets noch Zeit für seine Familie. Mit ihr trauern die Zentraldirektion Trieste, die Kollegen im In- und Ausland, die Mitarbeiter des Innen- und Aussendienstes der Direktion für Deutschland, seine Brüder der Ahmadyya-Bewegung und die Esperanto-Freunde in aller Welt.

Welche besondere Wertschätzung man dem Verstorbenen allgemein entgegenbrachte und wie gross seine Verbundenheit mit unserer Zentraldirektion in Trieste war, zeigen die vielen Beileidsbezeugungen hochstehender Persönlichkeiten an die Hinterbliebenen.
So schrieb der Präsident der GENERALI, Herr Senator auf Lebenszeit Cesare Merzagora :

> "Das frühe Ableben Ihres Gatten hat mich zutiefst betroffen. Die Erinnerung an ihn wird wegen seiner bei der Direktion für Deutschland mit vollem Einsatz, tiefem Fachwissen, leidenschaftlicher und treuer Verbundenheit ausgeübten wertvollen Tätigkeit in der Geschichte der Gesellschaft unvergessen bleiben.
>
> Ich möchte Ihnen und Ihrer Familie in meinem und im Namen der ASSICURAZIONI GENERALI den Ausdruck eines tiefempfundenen Beileids übermitteln."

Herrn Professor Dr. Fabio Padoa, dem Vizepräsidenten und Delegierten Verwaltungsrat unserer Gesellschaft, war Dr. Chiussi von Anbeginn seines Wirkens bei der GENERALI besonders verbunden. Dies kommt auch in den bewegten Worten zum Ausdruck, die Herr Prof. Dr. Padoa in seiner am Grabe gehaltenen Abschiedsrede am 15.Juni 1973 fand :

April 197o
Herr Präs.Merzagora, Herr Vizepräs.Dr. Padoa u. Herr Dr.Chiussi

"Mit tiefer Erschütterung stehen wir heute am Grabe eines Mannes, dessen ungewöhnliche Persönlichkeit ich in 2o-jähriger enger Zusammenarbeit schätzen lernte und der mir als Mensch in dieser langen Zeit unsagbar teuer und lieb geworden ist.

Italo Chiussi, der vor 54 Jahren in Trieste geboren wurde, vereinigte in sich alle Vorzüge dieser weltoffenen Stadt. In der Tradition des ehemaligen habsburgischen Vielvölkerstaates erarbeitete er sich eine solide Grundausbildung im wissenschaftlichen Gymnasium seiner Heimatstadt und promovierte mit Auszeichnung an der berühmten "Scuola Normale" in Pisa zum Doktor der mathematischen Wissenschaften. Seinem präzisen mathematischen Wesen waren aber auch die schöngeistigen Wissenschaften nicht fremd, denen er sich schon als junger Mensch mit grossem Interesse widmete. Ausgeprägt war seine Sprachbegabung.

Was soll ich über seine hohen charakterlichen Eigenschaften sagen, die allen, die ihn kannten, ein Begriff waren ?

Sein beispielgebendes Pflichtgefühl stellte er im 2. Weltkrieg unter Beweis, in dem er schwer verwundet und mehrfach ausgezeichnet wurde.

Nach dem Krieg widmete sich Dr. Chiussi 7 Jahre lang dem Unterricht in einer bekannten Lehranstalt in Trieste. Mit Begeisterung gab er sich der Aufgabe der Erziehung hin und stellte seine grosse Begabung, junge Leute zu führen, unter glänzenden Beweis.

Diese Fähigkeit trug Italo Chiussi mit sich in die GENERALI hinüber, in die er 1952 eintrat und in deren Lebensabteilung seine grosse Laufbahn begann.

In dieser Branche erwarb er sich ein hervorragendes Fachwissen. Als ein Mann, der jedoch über jedem abgesonderten Spezialgebiet stand, wurde er bald in die Studienabteilung der Gesellschaft berufen, wo seine Kenntnisse noch weiter an Raum gewannen.

Im Jahre 1957 erschien er der Zentraldirektion der GENERALI als die geeignete Person, in Deutschland das Lebensgeschäft wieder aufzubauen. In harter Arbeit und mit vollem Einsatz seiner Kräfte gelang es Italo Chiussi, gestützt auf den Namen unserer Gesellschaft, die durch die Kriegsereignisse praktisch zerstörte Lebensorganisation der GENERALI wieder herzustellen. Was wir heute auf diesem Gebiet in Deutschland besitzen, ist sein ausschliessliches Verdienst. Sowohl das versicherungstechnische Gebilde des Unternehmens wie auch seine betriebswirtschaftliche Struktur ist sein Werk.

Aber nicht nur ein in Zahlen ausdrückbares Erbe hinterliess er uns, sondern ein noch wertvolleres, nämlich eine Reihe von hochwertigen Mitarbeitern, die er sich im Laufe der Jahre einzeln herangebildet und beruflich und menschlich geprägt hat. Streng mit sich selbst wie er war, hat er auch von seinen Mitarbeitern viel verlangt. Dem Unternehmen hat er somit das Gepräge seiner moralischen Überzeugung, seines inneren Ernstes, seiner Liebe des Vollkommenen gegeben.

Neben seiner täglichen Tätigkeit in der deutschen Direktion der GENERALI, die den tüchtigsten Leiter völlig ausgefüllt hätte, fand Dr. Chiussi noch Zeit für rege sprachwissenschaftliche Studien, die ihn auf bestimmten Gebieten zu einem international bekannten Experten machten. Viel weitgehender waren aber seine Interessen. Die letzten Jahre seines Lebens waren der Vertiefung in die geistige Welt der mohammedanischen Religion gewidmet, in der er eine Quelle lebendiger Weisheit und einen Weg zur inneren Erleuchtung fand. Für seine Glaubensbrüder war er ein führender Geist.

Seiner Familie war er ein fürsorgender Gatte, ein vorbildlicher Vater und ein zärtlicher Grossvater.

Mit Italo Chiussi verlieren wir einen Menschen, dessen moralische Grösse, tiefes Wissen, reges Geistesleben und menschliche Wärme eine unersetzbare Lücke hinterlassen.

Er wird allen, die ihm als Mitarbeiter oder als Freunde verbunden waren, unvergessen bleiben und auch der jungen Generation ein nachzustrebendes Beispiel von bedingungsloser Pflichterfüllung und Hingabe an geistige Ideale sein.

Ihnen, liebe Frau Chiussi, Ihren Kindern und allen Ihren Angehörigen möchte ich meine innigste und herzlichste Anteilnahme aussprechen."

Eulogy of Dr Italo Chuissi

(English rendering of the eulogy of Dr. Abdul Hadi Italo Chuissi pronounced, printed presented and circulated by Generali Insurance Company for their Managing Director)

"On the 8th of June 1973, at 11:50 p.m, Dr. Italo Chuissi, Managing Director of the company "Generali" in Germany closed his eyes forever.

After a long period of painful illness, which he bravely bore with patience, the life of the person, who had rebuilt the business of the company with immense hard work in the last 15 years after destruction of the Second World War, came to an end.

We shall miss his excellent professional competence, his foresight and his quality of leadership, which he employed in dealing with his colleagues, customers and professional partners. His demise has left a gap, which is well-nigh impossible to fill. In spite of his intensive preoccupation with his professional engagements and his multifarious interests, he always found time for his family. The whole staff of the company in Trieste including the directors, managers and colleagues, may they be employed in the office or in the field, in this country or in other countries of the world, **express their condolence with the family of Dr. Chiussi and his brothers in the Ahmaddiyya Muslim Jamaat all over the world, and his worldwide Esperanto friends.**

The huge number of messages of condolence from highly placed personalities to the bereaved family is evidence of the high esteem, which the deceased enjoyed amongst his colleagues and his solidarity with our company in Trieste. The President of Generalli, Cesare Merzagora, Senator for life, wrote to the family as follows: "The early death of your spouse has shaken me deeply. His memory will never be forgotten in the history of the company, because of his deep devotion, his extensive professional knowledge and his passionate, loyal and valuable services for the company. .On behalf of Generali, as also on my own behalf, I offer the bereaved family our heartfelt expression of condolence."

Professor Dr. Fabio Padoa, the vice president and member of board of governors of our company, was attached to Dr. Chiussis since the beginning of his work with Generali. This is also shown in the emotionally charged eulogy pronounced by Prof. Dr. Padoa´ on the 15th June 1973. It goes as follows:

"With a deep sense of pain, we stand today at the grave of a unique personality, with whom I was honored to be associated for almost 20 years. He was personally very close and dear to me and I loved and respected him from the core of my heart."

Italo Chiussi, who was born in Trieste 54 years ago, combined in his person, all the merits of this cosmopolitan city. He received a solid basic education at a senior high school in the multiethnic city of Harburg and acquired his Doctrate in Mathematical Sciences (Ph.D.) with distinction, from the University of Pisa.

Since his very childhood he had a sort of versatility in his interests. It was not just the mathematical precision which was a part of his academic and professional performance, Dr Chuissi had a special talent for languages.

What should I say about his high moral qualities, which are known to all who knew him? He exhibited his exemplary sense of duty in the Second World War in which he was seriously injured and for which he earned several distinctions.

After the war Dr. Chuissi devoted himself for 7 years to his profession of teaching mathematics at a well-known institution in Trieste. He dedicated himself with keen interest and enthusiasm to educating his students and thereby established his exceptional ability. Dr. Italo Chiussi brought this ability with him as he joined Generali in 1952, when his great career in the life insurance branch of the company began. He made an excellent contribution in this branch through his expertise and hard work. As a man, who was could cope with every special area he was soon called to the research department of the company in which he employed his knowledge and explored and conquered new areas.

In 1957 he was transferred to the central directorate of Generali as a qualified officer to build up the life insurance business in Germany. With full support of the company, he worked hard and with full commitment he succeeded in retrieving the prestige of Generali, which had been destroyed in the World War. **The credit for what we have in this field in Germany today goes entirely to Dr. Chiussi. The present economic structure and insurance technique is solely his doing.**

The legacy he has left for us does not lie in figures alone. It is a much more valuable legacy. It is the team of devoted and well trained colleagues and staff in which he inspired human values. He expected from his colleagues and subordinates the same strict sense of discipline and devotion as in himself. He gave the company a moral conviction, his loyalty and sincerity and his love of perfection.

Beside his regular daily occupation with the German branch of Generali as a competent managing director, Dr. Chuissi found time to actively involve himself with linguistic studies, which won him an international fame in certain areas. His interests were far reaching and extensive. **In the last years of his life he was deeply involved in the spiritual world of Islamic religion, in which he found a source of living wisdom and the way to spiritual inspiration. For his brothers in Islam he was a spiritual guide.**

He was a caring husband, an exemplary father and an affectionate grandfather.

With the demise of Dr. Chiussi we have lost a man, whose moral stature, depth of knowledge, human warmth and active spiritual life is irreplaceable.

Dr. Chiussi was an epitome of integrity, morality, loyalty and spiritualism and shall always remain an unforgettable archetype for his colleagues and friends and the younger generation.

We assure you Dear Mrs, Chuissi, your children and all your relatives and friends, that we share your loss and grief.

A Message from B.A.Rafiq

In response to my request to write something on Dr. Abdul HadiItaloChuissi, Imam Bashir Ahmad Rafiq responded as follows:

(Although the message is brief, it summarizes in a nutshell the personality of Dr. ChuissiMarhoom)

MuhtaramJenab Professor Sahib,

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

I am sorry I am unable to write something about Dr. Muhammad Abdul HadiChuissi Sahib Marhoom. I met him many times and had enjoyed his inspiring company but there is no special anecdote worth mentioning. He took special permission from Hazrat Ch. Muhammad Zafrullah Khan Sahib (Raziallah) to spend a day or two on Ch. Sahib's birth day in London. As I was the permanent host of Hazrat Chaudhri Sahib in London I extended my hospitality to Dr. Chuissi Sahib as well. We usually met on the dining table and there used to be a spiritual and inspirational atmosphere. Dr. Abdul Hadi Chuissi Sahib was in love with Hazra t Chaudhri Zafrullah Khan Sahib and would listen to his discourses with rapt attention. Hazrat Chaudhri Sahib used to say that Dr. Chiussi Sahib was a walking angel on earth and was a great Sufi. Dr. Chiussi Sahib usually requested Hazrat Chaudhry Sahib to narrate his meetings with the Promised Messiah and Khalifa tul Masih-al-Awal (Raziallah) and Hazrat Musleh Maud.

I am sorry to disappoint you but my memory is failing me to remember any special feature of Dr. Sahib's life. Wasalam,

جزاکم الله
والسلام
B.A.Rafiq

Dr. Saadia Raja

Moderne Arzneistoffentwicklung

Um Krankheiten zu heilen, ihnen vorzubeugen oder ihre Symptome zu lindern, verwenden wir Medikamente. Sie können geschluckt, gespritzt, getropft, in den Körper eingeführt, eingeatmet oder auf die Haut aufgetragen werden. Der darin enthaltene Wirk- oder Arzneistoff muss an die Stelle im Körper gelangen, an der er wirken soll und anschließend wieder ausgeschieden werden. Die Entwicklung eines neuen Arzneistoffes ist ein mehrjähriger und kostspieliger Prozess. Bis zur Markteinführung eines neuen Medikamentes, vergehen im Schnitt 10 bis 16 Jahre und es entstehen Kosten von rund 800 Millionen Euro. In Deutschland sind derzeit ca. 3.000 Wirkstoffe in 55.000 Medikamenten zugelassen.

Die Entwicklung eines Arzneistoffes gliedert sich in zwei Hauptabschnitte: die vorklinische und klinische Entwicklung. Während die vorklinische Entwicklung sämtliche im Labor- und im Tierversuch durchgeführten grundlegenden Studien beinhaltet, umfasst die klinische Entwicklung im Allgemeinen die Erprobung am Menschen.

Zu Beginn steht die Grundlagenforschung, in der das elementare Verständnis für eine Krankheit und deren Verlauf erforscht wird. Dabei suchen Wissenschaftler zuerst einmal eine Angriffsstelle im Körper, an der ein Wirkstoff eingreifen könnte – ein so genanntes Target. Nachdem ein Target identifiziert wurde besteht der nächste Schritt in der Suche nach einer chemischen Verbindung, die mit diesem Target reagiert. Der erste Schritt auf dem Weg zu einem chemischsynthetischen Wirkstoff besteht darin, Hinweise darauf zu sammeln, was wohl Moleküle auszeichnet, die sich an das Target binden können: welche Eigenschaften sie haben müssen und ob sie bestimmte Atome und Atomgruppen unbedingt – oder aber keinesfalls – enthalten sollten. Etwa 5.000 bis 10.000 Substanzen müssen untersucht werden, damit ein Wirkstoff die Zulassung erreicht. Die besten Wirkstoffkandidaten werden ausgewählt und in die vorklinische Entwicklung gegeben.

Vorklinische Phase

Für die vorklinischen Prüfungen werden zum einen verschiedenste Computer-basierte Simulationsmodelle verwendet und zum anderen umfangreiche Tests mit Zell- und Gewebekulturen durchgeführt. Im Anschluss sind aber auch Tierversuche notwendig, da genau untersucht werden muss, ob sich die Ergebnisse aus den Zell- und Gewebekulturen auch im lebenden Organismus unter Berücksichtigung der Wechselwirkungen der verschiedenen Organsystem bestätigen lassen. Etliche Wirkstoffe werden in diesem Stadium verworfen, weil sie giftig sind oder vom Körper nicht ausreichend angenommen werden. Erst

nachdem nachgewiesen wurde, dass auch in Tierversuchen keinerlei Sicherheitsbedenken bestehen und der Wirkstoff die gewünschte Wirkung zeigt, darf er an Menschen weiter untersucht werden. Anschließend erfolgt die Entwicklung einer geeigneten Darreichungsform z.B. in Form einer Tablette, Kapsel, Zäpfchen, Aerosol oder einer Salbe - damit der Wirkstoff auch an die Stelle im Körper gelangt, an welcher er wirken soll.

<u>Klinische Phase</u>

Man unterscheidet 3 Phasen der klinischen Prüfung, die vor der Zulassung eines neuen Arzneimittels erfolgreich durchlaufen werden müssen.

In der ersten klinischen Phase wird an wenigen, gesunden Menschen, die sich freiwillig als Testpersonen gemeldet haben, getestet, wie sich geringe Mengen des Wirkstoffs im menschlichen Körper verhalten und ab welcher Konzentration sie Nebenwirkungen hervorrufen. In der zweiten Phase wird das Medikament einer größeren Patientengruppe (100–300 Patienten) verabreicht, um seine Wirksamkeit zu untersuchen, die geeignete Dosierung zu ermitteln und weitere Erkenntnisse über seine Sicherheit zu erlangen. Danach wird das Medikament in der dritten klinischen Phase bei einer großen Patientengruppe, die zwischen 1000 und 3000 Patienten beinhaltet, angewendet. Diese Phase dient dazu, seine Wirksamkeit zu bestätigen, Nebenwirkungen zu beobachten, Vergleiche mit gängigen Behandlungsmöglichkeiten anzustellen und Informationen über seine sichere Anwendung zu gewinnen. Schließlich werden alle Ergebnisse der vorklinischen und klinischen Studie der Zulassungsbehörde vorgelegt, die nach Überprüfung der Daten über eine Zulassung des Medikamentes entscheidet.